علمی مضامین سلسلہ نمبر۱۳ ، قسط:۱

''خانقاہِ حامدیہ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائیونڈ روڈ لاہور کی جانب سے محدث، فقیہ، مؤرخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلف کتب کثیرہ شیخ الحدیث حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم مضامین جو تاحال طبع نہیں ہو سکے اُنہیں سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جبکہ اُن کی نوع بنوع خصوصیات اِس بات کی متقاضی ہیں کہ اِفادۂ عام کی خاطر اُن کو شائع کر دیا جائے۔ اِسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد واَخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تاکہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔ (اِدارہ)

حیاتِ سیّدنا آدم علیہ السلام

﴿ حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحب ؒ ﴾

(۱) پیدائش آدم علیہ السلام :

زمین کے مختلف گوشوں سے خاک کی ایک مٹھی لی گئی، ایک عجیب وغریب ڈھانچہ تیار کیا گیا جو اندر سے کھوکھلا تھا اُس کا طول ساٹھ ہاتھ تھا اور عرض سات ہاتھ [۱] اور اپنی صورت میں نرالا تھا۔ [۲]

---

[۱] ہاتھ سے مراد وہی ہاتھ ہے جو (ہاتھ کی اُنگلیوں سے لے کر کہنی تک) عرفاً سمجھا جاتا ہے اور اگر آدم علیہ السلام کے ہاتھ مراد ہوں تو اِشکال یہ ہوگا کہ ہاتھ انسان کے پورے قد کا ۱/۴ ہوتا ہے اور اگر یہ ۱/۶۰ ہو تو ہاتھ نہایت بھدا ہوگا بلکہ ہم تو اپنی اصطلاح میں ایسے شخص کو ''لنجا'' کہتے ہیں۔ معاذ اللہ! (فتح الباری)

[۲] فتح الباری جلد ۶ ص ۲۶۰

خَلَقَ اللّٰہُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ ۱؎ ''آدم علیہ السلام کو اپنی ہی صورت پر پیدا کیا۔''

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ﴾ ۲؎ ''ہم نے انسان کو بہترین ڈھانچہ میں پیدا کیا۔''

ابلیس نے اِس عجیب الخلقت کو دیکھا تو کہا ''کسی عظیم الشان کام کے لیے اِس کو بنایا گیا ہے'' ۳؎

(۲) زمین کی خلافت :

حضرتِ حق کی جانب سے عام اعلان ہوا ﴿اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً﴾ ۴؎ ''میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔'' رب العالمین کا یہ اعلان سلسلہ تکوین میں بالکل نرالا تھا ! کیوں نہ ہو خلافت کا مسئلہ تھا ! ! اِس اعلان کا مقصد بظاہر عظمتِ آدم کا اظہار تھا اگرچہ اِمام تفسیر حضرت قتادہؒ ۵؎ کا قول یہ ہے کہ مشورہ مقصود تھا گویا باصطلاحِ جدید رائے عامہ معلوم کرنی تھی۔

دریافتِ حکمت :

فرشتوں کی شان بیان کی گئی ہے ﴿لَا یَسْبِقُوْنَہٗ بِالْقَوْلِ﴾ اِس کی تفسیر حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے یہ فرمائی کہ ''وہ کوئی ایسی چیز دریافت نہیں کر سکتے جس کی اِجازت نہ ہو۔'' لہٰذا اِن ملائک سے یہ تو ناممکن ہے کہ حضرتِ حق کے کسی فعل پر اِعتراض کریں اور نہ یہ ممکن ہے کہ اُن کے دل میں ابناءِ آدم سے حسد ہو کیونکہ حسد بدترین گناہ ہے اور فرشتے گناہوں سے پاک ہیں مگر وہ عجیب وغریب کرشمۂ قدرت

۱؎ اِس حدیث کا بظاہر مفہوم یہی ہے کہ آدم کو نرالی صورت عطا فرمائی جو کسی اور مخلوق کو عطا نہیں ہوئی اِسی کی جانب آیت کریمہ ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ﴾ سے اِشارہ سمجھ میں آتا ہے اور یہ بھی معنی بیان کیے گئے ہیں کہ جس طرح اولادِ آدم کی پیدائش میں مختلف درجات ہوتے ہیں اوّل خون بستہ پھر پارچہ گوشت وغیرہ وغیرہ یہ حالات آدم علیہ السلام پر طاری نہیں ہوئے بلکہ جو صورت اُن کو عطا کرنی تھی دفعةً عطا کردی گئی۔ اور یہ بھی معنی بیان کیے گئے ہیں کہ جو نقشہ خدا نے اَزل میں تجویز فرما لیا تھا اُسی پر پیدا کیا کسی سے مشورہ یا رائے نہیں لی۔ واللہ اعلم (فتح الباری جلد۶ ص۲۶۰) ۲؎ سُورة التین : ۴ ۳؎ ترمذی شریف

۴؎ سُورة البقرہ : ۳۰ ۵؎ تفسیر اِبن کثیرؒ ج ۱ ص ۱۱۹

دیکھ رہے تھے کہ مٹی کا ایک خول بنایا گیا جس کا نام بھی اسی مناسبت سے آدم [1] رکھا گیا اور وہ اَدِیمِ زمین سے بنایا گیا تھا اور جبکہ اُس کی سرشت ایسی چیز سے ہوئی تو بظاہر اس کے افعال بھی ایسے پست ہوں گے قتل وخون ظلم وفساد اس کا خاصہ ہوگا مگر اِس پر یہ لطف واحسان کہ اعلان کیا جارہا ہے کہ اِس کو خلیفہ بنایا جائے گا، چاہتے تھے کہ قدرت کے اِس پُر اسرار معمہ کی حکمت معلوم کریں چنانچہ دریافتِ حکمت کے لیے عرض کیا ﴿ اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ ﴾ (سُورۃ البقرہ : ۳۰)
''بارِ الٰہی کیا آپ زمین میں ایسے کو مقرر کریں گے جو فساد پھیلائے گا اور خون بہائے گا''

بظاہر اَمن واَمان اصلاح وتہذیب کے لیے وہ زیادہ موزوں ہیں جن کی خصلت ہی تقدیس وتسبیح ہے ﴿وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ﴾ ہم تیرا شکر ادا کرتے ہوئے تیری تسبیح وتقدیس کرتے رہتے ہیں۔ بارگاہِ رب العزت سے جواب صادر ہوا ﴿اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

(۳) حیاتِ آدم اور امتحانِ مقابلہ :

حضرتِ حق جل مجدہٗ کے ازلی تخمین کے لحاظ سے جمعہ کا دن تھا عصر کا وقت کہ آدم علیہ السلام کو رُوح سے نوازا گیا [2] حس وحرکت، عقل وحواس بخشے گئے، غور وفکر اور اِدراک کی قوت عطا ہوئی اب وقت آیا کہ فرشتوں کے شبہ کو رفع کیا جائے اور واضح کر دیا جائے کہ حضرت آدم علیہ السلام خلافت کے کیوں مستحق ہیں۔ نام فرشتوں کو بھی بتائے گئے تھے، حضرت آدم علیہ السلام کو بھی نام بتا دیے گئے اب مقابلہ کا امتحان شروع ہوا کچھ چیزیں سامنے رکھی گئیں اور فرشتوں سے سوال ہوا ﴿اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ﴾ اِن چیزوں کے نام بتاؤ۔ بیشک فرشتوں کی پیدائش ہی اِس قسم کی ہوئی ہے کہ وہ باری تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کر سکتے، گویا اطاعتِ الٰہی اُن کے لیے پانی اور ہوا ہے جس کے بغیر اِن کا بقاء ناممکن، مگر وہ غور وفکر کی قوت سے محروم ہیں، کچھ چیزوں کو سامنے رکھ کر کسی نتیجہ کا اخذ کرنا اُن کی قدرت سے باہر ہے،

---

[1] سُمِّیَ آدَمُ لِاَنَّہٗ خُلِقَ مِنْ اَدِیْمِ الْاَرْضِ . (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۵) [2] طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۰

یہ خاص شرف انسان کو عطا ہوا اِسی لیے وہ ایمان بالغیب کا مکلّف ہوا، فرشتوں کو نام بیشک یاد تھے مگر اُن کے امکان سے بالا تھا کہ پیش کردہ چیزوں پر ان ناموں کو منطبق کر کے بتادیتے کہ یہ پیالہ ہے یہ کتاب ہے یہ کپڑا ہے وغیرہ وغیرہ فرشتوں نے فوراً اپنی عاجزی کا اعتراف کیا اور کہا :

﴿سُبْحَانَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ﴾ (سُورۃ البقرہ : ۳۲)

''سبحان اللہ ہمیں تو وہی معلوم ہے جو آپ نے بتایا، آپ تو خود ہی واقف اور دانا ہیں۔''

عنایتِ ربانی آدم علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئی اور اِرشاد ہوا :

﴿یٰاٰدَمُ اَنْبِئْھُمْ بِاَسْمَآئِھِمْ﴾ [1] ''اے آدم ! اِن کو اِن چیزوں کے نام بتاؤ۔''

فضلِ الٰہی نے جو شرف انسان کو عطا فرمایا تھا اُس کا ظہور ہوا۔ حضرت آدم نے فطری فراست سے اُن ناموں کو اُن چیزوں پر منطبق کر لیا اور بتایا کہ یہ جبرئیل ہیں یہ میکائیل، یہ زمین ہے یہ آسمان، یہ کتاب وغیرہ وغیرہ [2] ﴿فَلَمَّا اَنْبَاَھُمْ بِاَسْمَآئِھِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمْ اِنِّیْ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''جبکہ فرشتوں کو اِن چیزوں کے نام حضرت آدم علیہ السلام نے بتادیے تو فرشتوں کو حضرتِ حق سے خطاب ہوا، میں نے کہا نہ تھا کہ بے شک میں جانتا ہوں آسمان وزمین کے غیب کو۔''

(۴) اعزازِ خلافت :

دیکھو قدرتِ الٰہی کے مقابلہ میں ہر چیز ہیچ ہے۔ وہ خالق ہے اور ہر چیز بلا اِستثناء مخلوق، آگ، پانی، ہوا، مٹی، نور اور ظلمت میں آپ کتنا ہی فرق کریں مگر قادرِ ذوالجلال کے سامنے خلق وآفرینش کی ایک ہی سطح پر صف باندھ کر کھڑی ہوتی ہیں، یہ اُس کا فضل ہے کہ کسی کو بڑھادے ﴿وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ﴾

---

[1] سُورۃ البقرہ : ۳۳ [2] قال زید ابن اسلم، قال انت جبرئیل انت میکائیل انت اسرافیل حتی عدد الاسماء کلھا حتی بلغ الغراب، مثل ھٰذا روی من مجاھد وغیرہ.(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص۱۲۷) فاذا کنتم لا تعلمون اسماء ھولاء الذین عرضت علیکم وانتم تشاھدونھم فانتم بما ھو غیر موجود من الامور الکائنۃ التی لم توجد احری ان تکونوا غیر عالمین.(تفسیر ابن کثیر علی فتح البیان ص ۱۲۶)

یہاں ''لاہوتی'' [۱] بھی تھے ''ناسوتی'' [۲] بھی تھے ''کرد'' بھی تھے اور ''سیوحی'' بھی ''نوری'' بھی تھے اور ''ناری'' بھی، مگر یہ اُس کا عین فضل و کرم ہے کہ اُس نے اِن سب کے مجمع میں سے صرف مشتِ خاک کو علم و معرفت کے بیش بہا جواہر کے لیے منتخب فرمایا اور اُس کو خلافت سے نوازا ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ ''یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے بخش دے۔'' خلیفہ کے اعزاز میں ملائک کو حکم ہوا ﴿اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ (خلیفۃ اللہ) آدم کو سجدہ کرو فرشتوں کا کام اطاعت ہے ﴿فَسَجَدُوْا﴾ چنانچہ آدم علیہ السلام کے سامنے سب نے سجدہ کیا۔ آخر اِنکار کی وجہ بھی کیا تھی ؟ بنی نوعِ آدم کے لیے حکم ہے ﴿فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ اپنے چہرے مسجد حرام کی طرف پھیر دو۔ نکتہ سنجانِ اَدب خداوندی نے یہ حکم سنا اور فوراً اُس کی تعمیل کی کیونکہ سر اُسی کا، پیشانی اُسی کی، کعبہ اُسی کا، حجرِ اسود اُسی کا، جس رُخ کا چاہا حکم دے دیا۔

سر رکھ دیا ہم نے درِ جاناں سمجھ کر

(۵) شیطان کی سرتابی :

لیکن فرشتوں کے زمرہ میں ایک وہ بھی تھا جو فرشتہ نہ تھا، اُس کا نام اِبلیس تھا ﴿كَانَ مِنَ الْجِنِّ﴾ وہ جنات میں سے تھا اُس نے تعمیلِ ارشاد سے پہلو تہی کی، سجدہ نہ کیا، فوراً جواب طلب کیا گیا۔ ﴿مَامَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَ خَلَقْتُ بِيَدَيَّ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ﴾ [۳] تجھ کو کیا اَٹکاؤ ہوا کہ تو اس کو سجدہ کرے جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں [۴] سے بنایا ہے، تو نے غرور کیا، یا واقعی تو درجہ میں بڑھا ہوا ہے۔ موقع تھا کہ وہ عذر کر دیتا کہ آپ کا حکم فرشتوں کے لیے تھا، میں فرشتہ نہیں جنات میں سے

---

[۱] عالم فنا فی اللہ [۲] عالمِ اجسام سے متعلق [۳] سورۂ ص : ۷۵

[۴] دونوں ہاتھوں سے یعنی بدن کو ظاہر کے ہاتھ سے اور رُوح کو غیب کے ہاتھ سے، اللہ تعالیٰ غیب کی چیزیں ایک طرح کی قدرت سے بناتا ہے اور ظاہر کی چیزیں دُوسری طرح کی قدرت سے بناتا ہے اِس انسان میں دونوں طرح کی قدرت صرف کی۔ (موضح القرآن)

ہوں مگر اُس نے اَمرِ اِلٰہی کے مقابلہ میں تکبر سے کام لیا ﴿اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ﴾ ۱؎ اِنکار کیا اور تکبر کیا، پس کافروں میں سے ہوگیا۔ اُس نے مخلوقات میں تفاوت مراتب شروع کر دیا حالانکہ حضرتِ حق کے سامنے سب کی حیثیت ایک ہے ۲؎ اُس نے کہا ﴿اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ﴾ ۳؎ ''میں اِس سے بہتر ہوں، مجھ کو آگ سے پیدا کیا اِس کو مٹی سے۔''

اُس نے پیدائشی نسبت کو فضیلت کا مدار مان لیا حالانکہ حضرتِ حق جل مجدہٗ کا اِرشاد ہے :

﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاکُمْ﴾ ۴؎ ''جو تم میں زیادہ متقی ہے وہ اللہ کے ہاں زیادہ مکرم ہے۔''

ابناءِ آدم میں ذات پات کی اُونچ نیچ بھی اِسی شیطانی منطق کا چربہ ہے حالانکہ سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے، بارگاہِ حضرت حق میں شیطان کی معصیت قابلِ عفو نہ تھی وہ معتوب ہوا اور حکم نافذ ہوا :

﴿فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ o وَاِنَّ عَلَیْکَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ﴾ ۵؎

''تو نکل یہاں سے تو راندہ ہے تجھ پر لعنت ہے روزِ قیامت تک۔''

(۶) رحمت پر رحمت اور تمرد پر تمرد :

حضرتِ حق جل مجدہٗ نے اپنے کلامِ پاک میں فرمایا ہے :

﴿اِنَّ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ﴾ ''میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے۔''

۱؎ سُورۃ البقرۃ : ۳۴ ۲؎ سب سے بڑی گستاخی اور سرکشی تو یہ کہ اِرشادِ اِلٰہی کے مقابلہ میں عقلی ڈھکوسلوں سے کام لے رہا ہے اور پھر وہ بھی غلط، آگ کو مٹی سے افضل قرار دیا حالانکہ غور کیا جائے تو مٹی آگ سے بہتر ہے، آگ کی خاصیت ہے سوزش، طیش، سرعت، اِس کے مقابلہ میں زمین یا مٹی کی خاصیت ہے فروتنی، سکون، ثبات و اِستقلال، پھر مٹی میں نشو ونما، زیادتی اور اصلاح، اُگانے اور بڑھانے کی طاقت ودیعت کی گئی ہے، یہی فطری فروتنی تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام فورًا توبہ کے لیے جھک گئے اور وہی فطری اِشتعال تھا کہ شیطان مشتعل ہی ہوتا رہا، اِنکسار پاس کو نہ آیا۔ (تفسیر اِبن کثیر وغیرہ) ۳؎ الاعراف : ۱۲ ۴؎ الحجرات : ۱۳ ۵؎ الحجر : ۳۴، ۳۵

شیطان ہر طرح معتوب ہو گیا تھا اب موقع نہ تھا کہ اُس کی کوئی درخواست سنی جائے لیکن ادھر اُس کی جرأت دیکھو کہ اب بھی اُس نے درخواست پیش کر دی ﴿رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ﴾ [1] ''اے رب ! مجھے مہلت دیجیے اُس دن تک کہ مردے زندہ کیے جائیں۔''

اُدھر رحمت کی وسعت دیکھو کہ فوراً ہی منظوری صادر ہوئی ﴿فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ اِلٰی يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ﴾ [2] ''تجھے مہلت دی گئی وقتِ معلوم کے دن تک۔''

کہا جا سکتا ہے کہ عتاب کے بعد فوراً ہی آثارِ رحمت نمودار ہونے لگے، سمجھ ہوتی تو اِسی مہلت سے فائدہ اُٹھاتا، توبہ اِستغفار سے گناہ معاف کرا لیتا مگر افسوس اُس نے اِس مہلت کے لیے جو پروگرام تجویز کیا وہ اِنتہا درجہ شرمناک تھا یعنی کفر پر کفر، عصیاں پر عصیاں، اُس نے نہایت گستاخی کے ساتھ ایک اعتراض رحمتِ حق پر کیا اور اِنتہائی دیدہ دلیری سے کہا :

﴿ فَبِمَا اَغْوَيْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ﴾ (سُورۃ الاعراف : ۱۶ ، ۱۷)

''جیسا مجھے گمراہ کیا ہے میں بھی ان کی تاک میں سیدھی راہ میں بیٹھوں گا، پھر ان کے پاس آگے پیچھے داہنے اور بائیں سے پہنچوں گا۔''

﴿ قَالَ اَرَاَيْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰی يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ (سُورۂ بنی اسرائیل : ۶۲)

''اچھا دیکھیے (یہ میاں) جن کو آپ نے مجھ پر فضیلت دی ہے اگر آپ مجھے قیامت کے دن تک کے لیے مہلت دیں تو میں باستثناءِ قلیل اِس کی ساری اولاد کو ڈھاٹی دے دُوں گا (مسخر کر لوں گا)۔ جیسا کہ گھوڑے کو ڈھانٹے یعنی لگام باندھ کر مسخر کیا جاتا ہے۔''

---

[1] سُورۃ الحجر : ۳۶ [2] سُورۃ الحجر : ۳۷ ، ۳۸

﴿ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ﴾(سُورة النساء : ۱۱۸ ، ۱۱۹)

''اور کہا کہ میں ضرور لوں گا تیرے بندوں سے وہ حصہ جو تیرے علم اَزلی میں مقرر ہو چکا ہے اور اُن کو بہکاؤں گا، اور اُن کو آرزوئیں دلاؤں گا اور اُن کو سکھاؤں گا کہ چیریں جانوروں کے کان اور اُن کو سکھاؤں گا کہ بدلیں صورت اللہ کی بنائی۔''

معاذ اللہ ! کھلم کھلا بغاوت اور نہ صرف بغاوت بلکہ خداوندِ بالا و برتر کی خدائی کے مقابلہ پر ایک موازی نظامِ شیطانی کا ادعاء، رب صمد پاک بے نیاز کی بارگاہ میں اِس قسم کی بے ہودہ لن ترانیوں سے کیا فائدہ، ذوالجلال وجبروت کا فرمان نازل ہوا :

﴿ اِذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآئُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ٥ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَ عِدْهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ٥ اِنَّ عِبَادِىْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ﴾ (سُورہ بنی اسرائیل : ۶۳ ، ۶۴ ، ۶۵)

''چلا جا، ان (ابناءِ آدم) میں سے جو بھی تیرے ساتھ ہوگا تو تم سب کا پورا پورا بدلہ جہنم ہوگا، جن کو تو اپنی آواز سے وارفتہ اور احمق بنا سکے بنالے، ان پر اپنے سوار اور پیادے سب ہی اکٹھے کردے، اُن کے مالوں اور اولادوں میں بھی ساجھا کر، اور ان سے وعدے بھی کر (جیسا کہ مشرکانہ طرز پر منتیں مانی جاتی ہیں چڑھاوے پیش کیے جاتے ہیں)۔ شیطان جو بھی وعدہ کرے وہ محض دھوکا ہے ہاں جو میرے بندے ہیں اُن پر تیرا اَثر اور تیری حکومت نہیں ہوسکتی۔''

(۷) سیّدنا آدم علیہ السلام جنت میں :

شیطان لعین مردُود و ملعون بنا کر رحمتِ حق سے دُور ڈال دیا گیا اور حضرت آدم علیہ السلام کے لیے فرمانِ خداوندی نازل ہوا :

﴿ اُسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ (سُورة البقرة : ۳۵)

''تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو، اور کھاؤ اُس میں سے محظوظ ہو کر جس جگہ چاہو اور نزدیک نہ جاؤ اِس درخت کے پس ہو جاؤ گے بے اِنصاف۔''

حضرت آدم علیہ السلام حضرت حوا کے ساتھ جنت میں رہنے لگے، جنت کی اُن نعمتوں سے لذت اندوز ہوتے جو اِنسانی وہم وگمان سے بالاتر ہیں۔ شیریں چشمے سایہ دار درخت لہلہاتے ہوئے مرغزاروں میں صاف وشفاف پانی کے زمین دوز فوارے شیریں اور تازہ پھل، مہکتے ہوئے خوش رنگ پھول تو ہمارے باغیچوں کے دل آویز اور دلکش اوصاف ہیں مگر جنت کی نعمتیں اِن سے کہیں بالا ہیں اِن کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا اِرشاد ہے مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ [۱]
''وہ نعمتیں کہ نہ آنکھوں نے دیکھیں، نہ کانوں نے سنیں اور نہ کسی انسان کے دل میں اُن کا وہم وگمان گزرا''
بظاہر جنت سے مراد وہی جنت ہے جس کا وعدہ نیک بندوں کے لیے کیا گیا ہے۔ معتزلہ وغیرہ کا خیال یہ ہے کہ دُنیا کے کسی سرسبز خطے کو جنت سے تعبیر کیا گیا ہے، بہت ممکن ہے کہ اِس کا ماٴخذ بائبل کی یہ روایت ہو کہ

''خداوند خدا نے عدن میں پورب [۲] کی طرف ایک باغ لگایا اور آدم کو جسے اُس نے بنایا تھا وہاں رکھا۔'' (پیدائش ص۴)

مگر قرآنِ پاک کے الفاظ توریت کے اِس مضمون کی تائید نہیں کرتے، اِس بحث میں پڑنا ہمارے موضوع سے خارج ہے، بہرحال قرآنِ پاک کے الفاظ میں سیّدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے یہ نعمت حاصل تھی ﴿ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴾ [۳]
''تم کو یہ ملا ہے کہ نہ بھوکے رہو اِس میں اور نہ ننگے اور نہ پیاسے رہو اِس میں اور نہ دھوپ میں تپو۔''
بہرحال ایک مدت تک حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا خداوندی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوتے رہے۔

---

[۱] بخاری شریف کتاب التوحید رقم الحدیث ۷۴۹۸ [۲] مشرق [۳] سورۂ طٰہٰ : ۱۱۸

(۸) شیطانی اغواء :

شیطان نے عہد کیا تھا ﴿لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾[۱] میں اِن کی تاک میں تیری سیدھی راہ پر بیٹھوں گا ﴿لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ﴾[۲] ''ضرور میں لوں گا تیرے بندوں سے مقررہ حصہ اور میں ضرور گمراہ کروں گا اُن کو اور ضرور آرزوئیں دلاؤں گا اُن کو۔'' جبکہ قرآنِ پاک کی تصریح کے بموجب اُس کی سرشت لطیف مادّہ یعنی ''نار'' سے ہوئی ہے اور وہ جنس جنات میں سے ہے تو اُس کو یہ قدرت بھی ہوئی کہ وہ جنات کی طرح مختلف شکلیں اِختیار کرے، ممکن ہے وہ کسی مقدس بزرگ کی شکل میں نمودار ہوا ہو یا اُس نے سانپ کی شکل اِختیار کر لی ہو جیسا کہ بائبل میں ہے : ''تب خداوندِ خدا نے عورت (حضرت حوا) سے کہا تو نے یہ کیا کیا، عورت بولی کہ سانپ نے مجھے بہکایا تو میں نے ایسا کیا۔'' (پیدائش : ۱۳)

بہرحال قرآنِ پاک میں اغواء کی شکل یہ بیان فرمائی گئی ہے :

﴿فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يٰاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى﴾[۳]

''شیطان نے وسوسہ ڈالا اور کہا اے آدم کیا نہ بتاؤں ابدی زندگی کا درخت اور بادشاہی جو پرانی نہ ہو۔''

﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُوْرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَانَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخَالِدِيْنَ ○ وَقَاسَمَهُمَا اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِيْنَ ○ فَدَلّٰهُمَا بِغُرُوْرٍ﴾[۴]

''شیطان نے اُن کو بہکایا تا کہ اُن پر اُن کی شرمگاہ جو اُن کی نظر سے پوشیدہ کر دی گئی تھی آشکارا کر دے اور کہا کہ تم کو تمہارے رب نے اِس شجرہ سے صرف اِس لیے منع کیا ہے کہ تم کبھی فرشتہ ہو جاؤ یا تم ہمیشہ جینے والے ہو جاؤ اور اِن دونوں سے قسمیں کھائیں کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں پس دھوکہ نے ان کو پستی میں ڈال دیا۔''

---

[۱] الاعراف : ۱۶ [۲] النساء : ۱۱۸، ۱۱۹ [۳] طٰہٰ : ۱۲۰ [۴] الاعراف : ۲۰ تا ۲۲

(۹) اغواء کے وجوہات اور بدعتوں کی اِختراع :

قرآنِ پاک کے الفاظ پر مکرر غور فرمائیے آپ کو شیطان کی دسیسہ کاری کی عجیب و غریب حقیقت معلوم ہوگی اور واقعہ یہ ہے کہ اُس کے اغواء کا طرز ہر شخص کے مذاق کے بموجب علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے، وہ زناکار یا شرابی کے لیے اغواء کی شکل یہی اِختیار کرے گا کہ زنا کی خوبیاں اُس کے ذہن نشین کردے گا لیکن کسی متقی یا پرہیزگار کو اِس طرح اغواء نہیں کرے گا بلکہ اُس کے اغواء کی شکل یہ ہوگی کہ کسی گمراہی کو نیکی کی شکل ہی میں اُس کے سامنے پیش کرے گا، بدعتوں کا آغاز اِسی طرح ہوتا ہے چنانچہ بدعت کی تعریف ہی علماء نے یہ فرمائی ہے :

مَا اُحْدِثَ عَلٰی خِلَافِ الْحَقِّ الْمُتَلَقّٰی عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ عِلْمٍ اَوْ عَمَلٍ اَوْ حَالٍ اَوْ صِفَةٍ بِنَوْعِ اِسْتِحْسَانٍ وَ طَرِیْقِ شُبْهَةٍ وَجَعَلَ دِیْنًا قَدِیْمًا وَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا [1]

''یعنی علم یا عمل سے متعلق کوئی ایسی بات جو اُس حق کے برخلاف ہو جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو چکا ہے کسی قسم کی ظاہری پسندیدگی اور مشابہت کے باعث ایجاد کر لیا گیا ہو اور پھر اُس کو دینِ قدیم اور صراطِ مستقیم گردان لیا گیا ہو۔''

اِسی لیے رسول اللہ ﷺ کا اِرشاد ہوا : مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ . [2]

''جو شخص ہمارے اِس کام (اسلام) میں کوئی ایسی چیز ایجاد کرے جو اِسلام کی نہ ہو تو وہ اُسی پر رد ہے۔''

اور اِسی لیے رسول اللہ ﷺ نے دینِ قیم کا یہ معیار قرار دیا مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ وہ یہ کہ اس پر میں ہوں اور میرے ساتھی۔

قرآنِ پاک میں اِرشاد ہوا : ﴿وَلَوْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَا اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ [3]

''اگر وہ اِسی طرح ایمان لے آئے جیسے تم ایمان لائے تو وہ ہدایت یافتہ ہیں۔''

---

[1] شرح نقایہ و مراقی الفلاح و طحطاوی [2] مسلم شریف کتاب الاقضیة رقم الحدیث ۱۷۱۸

[3] سُورة البقرة : ۱۳۷

اور بدعت کے متعلق اِرشاد ہوا : کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَّکُلُّ ضَلَالَةٍ فِی النَّارِ

''ہر ایک بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آتش جہنم میں ۔''

سیّدنا آدم علیہ السلام کے اغواء کی شکل بھی وہی اِختیار کی جو ایک قربِ الٰہی کے عاشق اور شیدائی کے لیے نہایت دلفریب تھی ۔حضرت آدم علیہ السلام سے شجرِ ممنوعہ کی تاثیر بیان کی کہ

(۱) اِس کے کھانے سے انسان فرشتہ ہو جاتا ہے ۔

(۲) یہ آبِ حیات کی خاصیت رکھتا ہے یعنی اِس کو کھا کر انسان ہمیشہ ہمیشہ اِس جنت میں رہیگا اور پھر ممانعت کا فلسفہ یہ بیان کیا کہ مرضیٔ خداوندی یہ ہے کہ آپ فرشتہ نہ ہوں اور آپ کا قیام اِس باغ میں دائمی نہ ہو۔ توریت کی تصریح کے بموجب وہ نیکی اور بدی کی پہچان کا درخت تھا ۔[۱] اب شیطان کی منطقی دلیل کا حاصل یہ ہوا کہ اِس درخت کا پھل کھا کر جب آپ نیکی اور بدی کی پہچان حاصل کرلیں گے تو بدی سے محفوظ رہیں گے، نیکی ہی پر عامل رہیں تو آپ ترقی کرتے کرتے تقرب اِلی اللہ کا بہت اُونچا مرتبہ حاصل کرلیں گے اور بدی کے باعث جو اِس جنت سے نکلنے کا خطرہ ہے اُس سے بھی آپ محفوظ ہو جائیں گے ۔

---

[۱] قرآن شریف یا صحیح اَحادیث میں اِس درخت کے متعلق کوئی تصریح نہیں آئی کہ کس چیز کا تھا ؟ علماءِ مفسرین کے اقوال مختلف ہیں کہ وہ انگور، انجیر، گیہوں یا کھجور کا درخت تھا ۔ابوالعالیہ کا قول ہے کہ وہ درخت ایسا تھا جس کے کھانے سے بول و براز کی حاجت ہوتی تھی ۔ وہب بن عنسیہ فرماتے ہیں کہ وہ ایسا درخت ہے جس کو فرشتے کھاتے ہیں خلود اور ابدی زندگی کے لیے (تفسیر اِبن کثیر جلد ۱ ص ۱۳۵) ۔حضرت وہب بن منبہ ؒ کے اِرشاد کے بموجب گویا شیطان کا بیان بھی صحیح تھا مگر چونکہ حکمِ اِلٰہی کی مخالفت ہوئی اِس لیے حضرت آدم علیہ السلام معتوب ہوئے ،مگر قرآنِ پاک کی دُوسری آیت جو اِسی مضمون میں ذکر کی گئی ہے اُس میں یہ بھی ہے کہ اِس درخت کے کھاتے ہی اُن کی شرمگاہیں ظاہر ہونے لگیں ، اِس سے بظاہر حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول راسخ معلوم ہوتا ہے کہ وہ درخت تھا جس سے بول و براز کی حاجت ہونے لگتی تھی ۔

اگر واقعہ توریت کی تصریح کے بموجب یہ درخت ایسا ہی تھا جس کے کھانے سے نیکی اور بدی کی پہچان کی قوت پیدا ہوجاتی تھی تو اغوا کا سبب ایک نہایت دقیق لطیفہ ہوگا یعنی یہ کہ کوئی چیز اپنا اَثر خود سے کرلیتی ہے یا اُس کی تاثیر کے لیے بھی حکمِ خداوندی کی ضرورت ہے مثلاً زہر کو مہلک مانا جاتا ہے یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یہ تاثیر زہر میں خداوندِ عالم نے پیدا کی ہے لیکن اِس کی تاثیر کی کیا صورت ہوتی ہے آیا خداوندی قدرت ایک مرتبہ یہ اَثر زہر میں پیدا کر کے اب فارغ اور معطل ہو کر بیٹھ گئی یا شکل یہ ہے کہ جب کسی نے مثلاً زہر کھایا تو اب پھر حکمِ اِلٰہی ہوتا ہے اور زہر میں اِس تاثیر کی قدرت کا جدید فیضان ہوتا ہے اور جب تک اَمرِ اِلٰہی نہ ہو زہر محض بیکار رہے۔

توضیح کے طور پر یوں خیال فرمایئے کہ بجلی ایک خاص طاقت ہے جو اگر قمقمہ میں پہنچتی ہے تو روشنی کا کام کرتی ہے اور پنکھے پر پہنچتی ہے تو حرکت پیدا کرنے کا کام کرتی ہے جس سے ہوا پیدا ہوتی ہے قمقمہ روشنی کے لیے ہے، پنکھا ہوا کے لیے لیکن فائدہ جب حاصل ہوگا کہ جب بجلی آجائے، اِس کے بغیر نہیں، تو آیا زہر کی حیثیت اُس قمقمہ جیسی ہے یا زہر کی مثال بجلی کے مخزن کی ہے جس میں بجلی بند ہے۔

شجرہ کی صورت میں اِسی مثال کو چسپاں کیجئے تو سوال یہ ہوا کہ آیا یہ شجرہ نیکی اور بدی کی پہچان کی قوت کا ایک مخزن تھا یا قمقمہ کی طرح وہ ایک علامت تھا کہ قانونِ قدرت اُس کے متعلق یہ تھا کہ جب کوئی کھالے تو نیکی اور بدی کی پہچان کی قوت کا فیضان ہوتا تھا۔ یہ مسئلہ علمِ کلام کا وہ باریک مسئلہ ہے جس کے متعلق قرآنِ پاک کے نزول کے بعد بھی دو رائیں ہوگئیں۔

فرقہ معتزلہ کا مسلک یہ ہے کہ تمام چیزوں کی مثال بجلی کے مخزن کی ہے، قانونِ قدرت نے تمام چیزوں میں تاثیر پیدا کر دی اب یہ چیزیں بذاتِ خود اَثر کرتی ہیں۔

اور اہلِ سنت والجماعت کا مذہبِ حق یہ ہے کہ دُنیا کی تمام چیزیں ایک علامت کی حیثیت رکھتی ہیں، یہ صورت قطعاً نہیں کہ اِن چیزوں میں طاقت ودیعت کر کے قدرتِ اِلٰہی معطل اور فارغ

ہوکر بیٹھ گئی ہو بلکہ دستورِ الٰہی یہ ہے کہ موقع بہ موقع قدرت اور تاثیر کا فیضان ہوتا رہتا ہے جب تک قدرت کا فیضان نہ ہو ہاتھ حرکت نہیں کرسکتا زبان بول نہیں سکتی آنکھ دیکھ نہیں سکتی کان سن نہیں سکتے اور زہر مار نہیں سکتا۔

میں نہیں کہہ رہا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے معتزلہ کے مسلک کی حمایت کی، ہرگز نہیں ! ہرگز نہیں ! ! میرا مقصد یہ ہے کہ اُس مسئلہ کی پیچیدگی کا اظہار کردوں جو حضرت آدم علیہ السلام کے لیے مغالطہ کا باعث ہوگیا۔ ہاں اِس واقعہ سے ہمیں ایک دُوسرا سبق ملتا ہے کہ کسی مسئلہ کی منطقی یا فلسفی موشگافیوں میں پڑکر یہ شکل قطعاً جائز نہیں کہ باری تعالیٰ عزاسمہ کے کسی صریح اِرشاد کی مخالفت کی جائے۔

(۱۰) نَسِیَ اٰدَمُ فَنَسِیَ ابْنُہٗ :

آدم علیہ السلام بھول گئے تو اُن کی اولاد بھی بھولنے لگی، اِرشادِ الٰہی تھا :

﴿ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ (سُورۃ البقرہ : ۳۵)

''اور اِس درخت کے قریب مت جاؤ کہ ظالم ہوجاؤ گے۔''

مگر سیّدنا آدم علیہ السلام قربِ الٰہی کے شوق، جنت میں دوام اور خلود کی طمع اور پھر تاثیرِ شجرہ کے متعلق ایک عجیب وغریب پیچیدگی میں ایسے منہمک ہوگئے کہ باری تعالیٰ عزاسمہ کے اِرشاد کا خیال نہ رہا ﴿فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴾ [۱] ''حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے ہم نے اُن کا عزم نہیں پایا۔''

''نِسیاں'' کو ''عِصیاں'' کیوں کہا گیا :

مگر ایک ایسے شخص سے جو نبی ہو یا نبی ہونے والا ہو جو تقربِ الٰہی کے اُونچے مرتبے کا مالک ہو جس کو خطاب وکلام سے نوازا گیا ہو ایسا انہماک واستغراق بھی ایک لغزش ہے۔ سچ پوچھو تو یہ استغراق بھی اللہ ہی کے لیے تھا مگر افسوس کہ اِرشادِ صریح کے مخالف ہوگیا، اِس کی مثال ایسی خیال فرمائیے کہ نماز پڑھتے پڑھتے کوئی شخص قرآنِ پاک کی فصاحت وبلاغت میں ایسا محو ہوا کہ کچھ کا کچھ پڑھ گیا یا معانی

---

[۱] سُورہ طٰہٰ : ۱۱۵

قرآن کے غور و فکر میں ایسا منہمک ہوا کہ رکوع کا خیال ہی نہ رہا سجدہ میں چلا گیا ایسی صورت میں اُس کی نماز نہ ہوگی یا سجدہ لازم آئے گا بلکہ حضرت اِمام ابوحنیفہ رحمة اللہ علیہ کا قول تو یہی ہے کہ نماز کی حالت میں قرآنِ پاک کی فصاحت و بلاغت میں محویت اُس اُونچے درجہ کے لیے حجاب بن جاتی ہے جو نماز سے مقصود ہے، بہرحال چونکہ یہ محویت اُس اُونچے مرتبے کے مخالف تھی جو حضرت آدم علیہ السلام جیسے مقربِ بارگاہِ ربِ صمد کے لیے شایاں ہے تو اِس پر تنبیہ وارد ہوئی اور جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کی طرف سے خود حضرتِ حق نے معذرت فرمادی کہ ''بھول گئے تھے، نافرمانی کا عزم نہ تھا'' اِسی طرح اس اُونچے مرتبے کا لحاظ فرماتے ہوئے یہ سخت الفاظ بھی فرمائے گئے ﴿ وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی ﴾ [1] ''آدم (علیہ السلام) نے نافرمانی کی پس راہ سے بہکا۔'' حضرت علامہ اُستاذ مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمة اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ الفاظ اِسی دستور کے بموجب ہیں۔

جن کے رُتبے ہیں سِوا اُن کی سِوا مشکل ہے

مشہور ہے کہ حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز سے ایک مرتبہ پیروں کی اُنگلیوں کا خلال (جو مستحب ہے اور جس سے عام لوگ واقف بھی نہیں ہوتے) رہ گیا تو آپ اِس مستحب کے ترک پر چھ ماہ تک روئے۔ ایک بزرگ نے مسجد میں داخل ہوتے وقت داہنے پیر کے بجائے بایاں پیر رکھ دیا تو معتوب ہوئے۔ نزدیکاں رابیش بود حیرانی [2]

بہرحال اِس نسیان پر فوراً تنبیہ ہوئی :

﴿ فَنَادٰهُمَا رَبُّهُمَا اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴾ (سُورة الاعراف : ٢٢)

''اُن کو پروردگار نے ندا دی، کیا میں نے تم کو اِس درخت سے منع نہ کر دیا تھا اور کیا یہ نہ کہہ دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔''

---

[1] سُورہ طٰهٰ : ١٢١ [2] ترجمہ : مقربین کو حیرانی زیادہ ہوتی ہے۔

کمالِ نیاز مندی :

بہر حال ایک غلطی ہوئی جس کی وجوہات وہی ہیں جن کی طرف تحریرِ سابق میں اِشارہ کیا گیا، اِن کے علاوہ اور بھی وجوہات بیان کی گئی ہیں جن کو ہم نے بنظرِ اختصار نقل نہیں کیا ہے۔ اب اِس تنبیہ کے بعد موقع تھا کہ سیّدنا آدم علیہ السلام معذرت کرتے اور غلطی کی وجوہات بیان کر کے براء ت کی سبیل نکالتے مگر کمالِ نیاز مندی یہ ہے کہ انسان خود کو سراسر تقصیر اور سرتا پا ہیچ سمجھے اور اعترافِ تقصیر میں کوتاہی نہ کرے۔ غور فرمائیے یہ پوری ہستی جس کا نام انسان ہے اِس کی حیثیت ہی کیا ہے، صرف یہی ایک مشتِ خاک ہے جس کو لطفِ الٰہی نے اتنا نوازا کہ مسجودِ ملائک بنا دیا، یہ مشتِ خاک کی خوبی ہے یا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی قدر افزائی ؟ انسان اپنی حقیقت سے جب تک ناواقف رہتا ہے وہ اپنی ہستی میں اُلجھا رہتا ہے لیکن جیسے جیسے چشمِ معرفت میں بصیرت پیدا ہوتی رہتی ہے وہ اپنی ہستی کو فنا، اپنے عمل کو حقیر، اپنی جدو جہد کو ناچیز سمجھتا رہے گا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ (جن کو صدیقیت کا وہ خطاب عطا ہوا جو اُمتِ محمدیہ میں کسی کو حاصل نہیں ہوا، خود قرآنِ مجید میں جابجا اِن کی توصیف فرمائی گئی) فرمایا کرتے تھے ''اے کاش ! میں درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا۔'' حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا گیا کہ آپ حرمِ کعبہ میں سر رکھے ہوئے اِلتجا کر رہے ہیں ۔

من نہ گویم کہ طاعتم بپذیر — قلمِ عفو بر گناہ ہم کش [1]

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں اور بہت ہی خوب فرماتے ہیں ۔

عاصیاں از گناہ توبہ کنند — عارفاں از عبادت اِستغفار [2]

بہر حال حضرت آدم علیہ السلام نے نداءِ الٰہی کے جواب میں فوراً عرض کیا :

﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (الاعراف : ۲۳)

---

[1] میں یہ نہیں کہتا کہ میری طاعت کو قبولیت بخش (بلکہ میری صرف یہ اِلتجا ہے کہ) معافی کا قلم گناہوں پر کھینچ دے

[2] گناہگار گناہ سے توبہ کرتے ہیں اور عارفین عبادت سے (عبادت کے بعد بھی) اِستغفار کرتے ہیں۔

''اے رب ہمارے ہم نے اپنے اُوپر ظلم کیا اگر آپ ہماری مغفرت نہ فرمائیں گے اور ہم پر رحم نہ فرمائیں گے تو بلاشبہ ہم خائب و خاسر ہوں گے۔''

سببِ فضیلت :

حضرت آدم علیہ السلام کی افضلیت کا سبب عام طور پر علم قرار دیا گیا ہے اور آیات کتاب اللہ کی ظاہری سطح سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے مگر رموز شناسانِ حقیقت کی تحقیق یہ ہے کہ وجہ فضیلت کمالِ نیازمندی ہے جس کا نام عبدیت ہے۔ سیّدنا حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ [1] فرمایا کرتے تھے شیطان نے ماہیت پر بحث شروع کردی اور راندۂ درگاہ ہوگیا، حضرت آدم علیہ السلام نے نیازمندانہ اعترافِ جرم کیا وہ کامیاب ہوگئے حالانکہ حضرت آدم علیہ لسلام کے لیے بحث کی گنجائش زیادہ تھی۔

✿ ✿ ✿ (جاری ہے) ✿ ✿ ✿

قارئین اَنوارِ مدینہ کی خدمت میں اپیل

ماہنامہ اَنوارِ مدینہ کے ممبر حضرات جن کو مستقل طور پر رسالہ اِرسال کیا جارہا ہے لیکن عرصہ سے اُن کے واجبات موصول نہیں ہوئے اُن کی خدمت میں گزارش ہے کہ اَنوارِ مدینہ ایک دینی رسالہ ہے جو ایک دینی اِدارہ سے وابستہ ہے اِس کا فائدہ طرفین کا فائدہ ہے اَور اِس کا نقصان طرفین کا نقصان ہے اِس لیے آپ سے گزارش ہے کہ اِس رسالہ کی سرپرستی فرماتے ہوئے اپنا چندہ بھی اِرسال فرمادیں اور دیگر اَحباب کو بھی اِس کی خریداری کی طرف متوجہ فرمائیں تاکہ جہاں اِس سے اِدارہ کو فائدہ ہو وہاں آپ کے لیے بھی صدقہ جاریہ بن سکے۔ (اِدارہ)

---

[1] شیخ الحدیث دارُالعلوم دیوبند

علمی مضامین سلسلہ نمبر۱۳ ، قسط : ۲

''خانقاہِ حامدیہ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائیونڈ روڈ لاہور کی جانب سے محدث، فقیہ، مؤرخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلف کتب کثیرہ شیخ الحدیث حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم مضامین جو تا حال طبع نہیں ہو سکے اُنہیں سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جبکہ اُن کی نوع بنوع خصوصیات اِس بات کی متقاضی ہیں کہ اِفادۂ عام کی خاطر اُن کو شائع کر دیا جائے۔ اِسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد واَخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تاکہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔ (اِدارہ)

حیاتِ سیّدنا آدم علیہ السلام

﴿ حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحب ؒ ﴾

حضرت آدم علیہ السلام کو دوبارہ جنت میں کیوں نہیں واپس کیا گیا ؟

غلطی معاف ہوئی لیکن سوال یہ ہے کہ معافی کے بعد دوبارہ جنت میں کیوں نہیں پہنچایا گیا ؟ لیکن جو شخص اِس حقیقت سے واقف ہے اُس کو کوئی خلجان پیدا نہیں ہو سکتا (کہ خداوند عالم نے جس طرح ہر چیز میں تاثیر پیدا کی ہے اِسی طرح انسانی عمل میں بھی تاثیر پیدا کر دی جو قانونِ قدرت کے بموجب احکامِ الٰہی کے ماتحت ظہور پذیر ہوتی رہتی ہے) جرم کی معافی اور چیز ہے اور عمل کی تاثیر دُوسری چیز، جرم کے معاف ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ عمل کی تاثیر بھی ختم ہو جائے، کوئی انسان شکار پر گولی چلائے وہ کسی انسان کے لگ جائے اگرچہ غلطی ہے مگر اِس بناء پر کہ غلطی ہے موت کو دفع نہیں کیا جا سکتا، گناہ بے شک نہیں مگر قتلِ نفس جو اِضطراری طور پر سرزد ہو گیا اُس کی بناء پر شریعت نے کفارہ مقرر کر دیا،

مرنے والے کی موت بھی اُسی کے حکم سے ہے اور کفارہ بھی اُسی کے حکم سے واجب ہوا۔

غلطی سے لفظ طلاق زبان سے نکل گیا، اگر چہ غلطی ہے اور اگر چہ بلا وجہ طلاق کا گناہ اُس پر عائد نہ ہوگا مگر طلاق ضرور واقع ہو جائے گی۔

نماز میں اگر سہو ہو تو اگر چہ گناہ نہیں مگر سجدۂ سہو ضرور واجب ہوگا ورنہ نماز دوبارہ پڑھنی ہوگی۔

اثرِ گناہ :

مختصر یہ کہ جرم نہ رہنے سے عمل کی تاثیر ختم نہیں ہوتی۔ بہر حال درخت کے کھانے کی ایک تاثیر تھی جو بہر طور ظہور پذیر ہوئی، امر تکوینی کے سلسلے میں جو اِس اخراج اور پھر واپس نہ کرنے کی حکمت ہے وہ سورۂ اعراف کے رکوع ۳ کی ابتدائی آیتوں پر غور کرنے سے معلوم ہو سکتی ہے۔

﴿ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ﴾ [1]

''پس جب چکھا دونوں نے درخت، اُن پر کھل گئے عیب اُن کے اور جوڑنے لگے اپنے اُوپر جنت کے پتے۔''

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اِس کی تفسیر فرماتے ہیں :

''اُن کے عیب اُن پر مخفی تھے یعنی استنجا اور شہوت کی حاجت جنت میں نہ تھی نیز اُن کے اُوپر کپڑے تھے وہ بھی کبھی نہ اُترتے تھے اِس لیے کہ اُتارنے کی حاجت نہ ہوتی تھی اور یہ اپنے اعضاء سے واقف نہ تھے جب یہ گناہ ہوا تو لوازمِ بشری پیدا ہوئے اپنی حاجت سے خبر دار ہوئے اور اپنے اعضاء دیکھے۔''

دو دُعائیں :

اُس وقت دو دُعائیں مانگی گئیں دونوں قبول ہوئیں :

مگر ایک دُعا خدا کے نبی کی تھی ایک دُعا غرور اور سرکشی کے پیکر یعنی ابلیس کی۔

---

[1] سُورۃ الاعراف : ۲۲

خدا کے نبی نے مغفرت، رحمتِ خداوندی آمُرزِش[۱] اور عفو وکرم کی دُعا مانگی جو قبول ہوئی اور آدم علیہ السلام اِس دُنیا میں خدا کے سب سے پہلے مقرب اور مقبول بندے ہوئے۔

اِس کے برعکس شیطانی دُعا میں قیامت تک کی مہلت طلب کی گئی تھی اور یہ کہ اولادِ آدم کو گمراہ کرنے کی طاقت اُس کو بخش دی جائے ...... یہ دُعا اُس کے لیے مقبول ہوئی پھر اِرشاد ہوا :

﴿ اِهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَّ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ o قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴾ (سُورۃ الاعراف : ۲۴،۲۵)

''اُترو تم، ایک دُوسرے کے دُشمن ہوئے اور تم کو زمین میں ٹھہرنا ہے اور برتنا ہے ایک وقت تک، اِرشاد ہوا کہ تم اِسی میں جیو گے اور اِسی میں تم مرو گے اور اِسی سے نکالے جاؤ گے۔''

عہدِ اَلست :

میں خود اِس دُنیا میں کچھ عرصہ پہلے پیدا ہوا تھا جبکہ میں جنین کے بجائے شیرخوار بچہ بنا تھا اور میرے اعزاء و اَقارب نے ایک کان میں اذان اور ایک کان میں تکبیر پڑھ کر میرے دُنیاوی قیام کی ایک مثال پیش کی تھی یعنی یہ کہ میری موت پیدائش سے اُتنی ہی قریب ہے جتنی اذان سے تکبیر یا بعنوانِ دیگر وہ اذان و تکبیر اُس نماز کی تھی جو وفات کے بعد جنازہ پر پڑھی جائے گی۔

خدا کی پناہ انسان بھی کس قدر جلد باز ہے، پیدا ہوتے ہی وفات کی اطلاع دے دی، بہرحال قیامِ دُنیا کی مدت کتنی ہی مختصر کیوں نہ ہو مگر مجھے یقین ہے کہ میری عمر اُس سے بہت زیادہ ہے مجھے خود یاد نہیں کہ میں کب پیدا ہوا ہاں اِتنا ضرور یاد ہے کہ ہزاروں لاکھوں برس گزرے کہ جب میں پیدا ہوا۔

آپ کیا ہیں یا میں کیا ہوں ؟

دُنیا کو ''زُور'' کہا گیا ہے کیونکہ یہ بہت ہی زیادہ جھوٹی ہے اِس میں سراسر دھوکا ہی دھوکا ہے

---

[۱] بخشش، عطا

اِنسان رات دن دھوکے ہی میں مبتلا رہتا ہے ''اِلا ماشاء اللہ'' اِس سے بڑھ کر دھوکا کیا ہوسکتا ہے کہ زید مثلاً آج تک یہی خیال کرتا رہا کہ اِن مادّی ہاتھ پاؤں زبان منہ آنکھ ناک کان وغیرہ کا نام زید ہے لیکن آپ غور کریں تو زید کی حقیقت کو اِن چیزوں سے اِتنا ہی واسطہ ہے جتنا زید کو اپنے لباس اور پوشاک سے، زید جب بچہ تھا تب بھی زید ہی تھا اور جب جوان ہوا تب بھی زید ہی تھا اور اب بڑھاپے کی بدترین حالت میں ہے بینائی جاتی رہی قوٰی بیکار ہو گئے ہاتھوں میں رعشہ اور پیروں میں لڑکھڑاہٹ پیدا ہوگئی تب بھی زید ہی ہے، اگر امیر ہے تب بھی زید ہی ہے اور خدانخواستہ تباہ حال اور فاقہ مست ہوگیا تب بھی زید ہی ہے۔ حقیقت یہ کہ زید کچھ اور ہی ہے اُس کو آپ ''رُوح'' کہیے یا اربابِ طریقت کی اصطلاح کے بموجب ''نسمہ'' کہیے بہرحال اُس کا نام زید ہے، یہ حقیقی زید اُس وقت پیدا نہیں ہوا جبکہ وہ بطنِ مادر سے خارج ہوا بلکہ سیّدنا حضرت آدم علیہ السلام کی دُنیا میں تشریف آوری سے بھی بہت پہلے وہ پیدا ہو چکا تھا ! ! ! اور عجیب بات ہے یہ اُسی وقت ایک عہد بھی کر چکا تھا ! ! !

یہ کب کی بات ہے ؟

﴿ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ط قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا ج اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ o اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴾ (سُورۃ الاعراف : ۱۷۲ ، ۱۷۳)

''(اے نبی لوگوں کو وہ وقت یاد دلاؤ) جب تمہارے رب نے نکالی آدم کے بیٹوں سے اُن کی پیٹھوں میں سے اُن کی اولاد (یعنی وہ تمام اولادِ آدم جو نسلاً بعد نسلٍ اور پشت در پشت پیدا ہونے والی تھی اُس سب کو برآمد کر دیا) اور خود اُن سے اُن کے نفسوں اور جانوں پر گواہی دلوائی کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں ؟ سب نے جواب دیا تھا ہاں تو ہی ہمارا پروردگار رہے ہم نے اِس کی گواہی دی اور یہ اِس لیے

کیا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ تم قیامت کے دن عذر کر بیٹھو کہ ہم اِس سے بے خبر رہے یا کہو کہ خدایا شرک تو ہم سے پہلے ہمارے باپ دادوں نے کیا تھا ہم اُن کی نسل میں بعد کو پیدا ہوئے (اور لاچار وہی راہ چلے جس پر پہلوں کو چلتے پایا) تو پھر کیا تو ہمیں اِس بات کے لیے ہلاک کرے گا (جو ہم سے پہلے) باطل پرستوں اور جھوٹی راہ چلنے والوں نے کی تھی۔''

عہد اَلست کی تفسیر ترمذی شریف کی حدیث سے :

ترمذی شریف کی ایک حدیث سے اِس عہد کی توضیح اِس طرح ہوتی ہے کہ

''جب خداوند عالم جل مجدہٗ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کر لیا تو پشت آدم پر دستِ قدرت پھیرا پس ہر ایک وہ نَسَمہ (رُوح) جس کو خداوند عالم آدم علیہ السلام کی اولاد میں قیامت تک پیدا کرے گا حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے جھڑ پڑا اُن میں سے ہر ایک کی پیشانی پر ایک نور تھا پھر اُن تمام نسمات (رُوحوں) کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے کیا۔

حضرت آدم علیہ السلام : خداوندا یہ کون ہیں ؟ اِرشادِ خداوندی : تمہاری اولاد

پھر آدم علیہ السلام نے ایک ''نسمہ'' کو دیکھا جس کی پیشانی کے نور نے خود حضرت آدم علیہ السلام کو حیرت زدہ کر دیا۔

حضرت آدم علیہ السلام : خداوندا یہ کون ہیں ؟

اِرشادِ ربانی عزوجل : آخری اُمتوں میں سے ایک شخص ہوگا جس کا نام داؤد ہوگا[1]

حضرت آدم علیہ السلام: خداوندا اِس کی عمر کیا ہوگی ؟ اِرشادِ ربانی عزوجل: ساٹھ سال

حضرت آدم علیہ السلام: اِلٰہ العالمین میری عمر میں سے چالیس سال اِس کو دے دیجئے۔

---

[1] علیٰ نبینا وعلیہ السلام۔

اِس کے بعد جب آدم علیہ السلام دُنیاوی زندگی ختم کر چکے اور واپسی کا وقت آیا تو ملک الموت حاضر ہوئے۔

حضرت آدم علیہ السلام : کیا میری عمر میں چالیس سال باقی نہیں رہے ؟

ملک الموت : کیا آپ نے اپنے (بیٹے) داؤد علیہ السلام کو دے نہیں دیے تھے !

سیّد الانبیاء رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس واقعہ کو نقل فرمانے کے بعد فرمایا :

☆ آدم علیہ السلام نے انکار کیا تو اولاد نے بھی انکار کیا۔

☆ آدم علیہ السلام بھول گئے تو اولاد بھی بھول گئی۔

☆ حضرت آدم علیہ السلام نے خطا کی تو اولاد بھی خطا کرنے لگی۔'' [۱]

مفسرِ قرآن علامہ اِبن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیتِ کریمہ میں شہادت [۱] سے مراد انسان کی فطرت ہے یعنی انسان کی پیدائش اور پیدائشی وضع ہی اِس قسم کی ہے کہ انسان کو توحید کی طرف ہدایت کرتی ہے، علامہ موصوف کے نزدیک آیت کی تفسیر یہ ہے کہ خداوند عالم نے اولادِ آدم کو اُن کے آباء کی پشتوں سے پیدا ہی اِس صورت پر کیا کہ وہ فطرتاً شاہد ہیں کہ اُن کا رب اور اُن کا مالک ایک ہے اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ علامہ موصوف مندرجہ ذیل آیت سے اِستدلال کرتے ہیں :

﴿ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ﴾ [۲]

''سوتو سیدھا رکھ اپنا منہ دین پر ایک طرف کا ہوکر، وہی تراش اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو، بدلنا نہیں اللہ کے بنائے ہوئے کو۔'' (شاہ عبد القادرؒ)

اس آیت کی تفسیر صحیحین کی اِس حدیث سے ہوتی ہے :

---

[۱] ﴿ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴾

[۲] ترمذی شریف تفسیر سُورۃ الاعراف ج ۱ ص ۱۳۳ [۲] سُورہ رُوم : ۳۰

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ كَمَثَلِ الْبَهِيْمَةِ تُنْتَجُ الْبَهِيْمَةَ هَلْ تَرٰى فِيْهَا جَدْعَاءَ. (بخاری شریف رقم الحدیث ۱۳۸۵)

''ہر ایک بچہ ایک ہی فطرت اور طبیعت پر پیدا کیا جاتا ہے اُس کے ماں باپ اُس کو یہودی نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جس طرح جانور کہ وہ صحیح سالم ہی پیدا ہوتا ہے کیا تم نکٹے اور کن کٹے پیدا ہوتے دیکھا کرتے ہو۔''

نیز مسلم شریف کی روایت ہے :

وَاِنِّیْ خَلَقْتُ عِبَادِیْ حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ ، وَاِنَّهُمْ اَتَتْهُمُ الشَّيَاطِيْنُ فَاَجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِيْنِهِمْ وَحَرَّمَتْ عَلَيْهِمْ مَا اَحْلَلْتُ لَهُمْ .[1]

''اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا ہے کہ میں نے تمام بندوں کو دینِ حنیف ہی پر پیدا کیا ہے پھر اُن کو شیاطین گھیر لیتے ہیں اور دینِ فطرت سے اُن کو بہکا دیتے ہیں اور وہ چیزیں اُن پر حرام کر ڈالتے ہیں جو میں نے اُن کے لیے حلال کی تھیں۔''

اس تفسیر کے بموجب مذکورہ بالا آیت کریمہ انسانی فطرت کی تمثیل ہوگی اور عہدِ الست یا شہادت سے ایک حالی معاہدہ اور حالی شہادت مراد ہوگی یعنی انسان کی زبانِ حال یہ عہد کر رہی ہے اور یہ شہادت دے رہی ہے کہ اُس کا رب ایک ہے۔ اس تفسیر کے بموجب اِس آیت کا تعلق ہمارے مبحث (یعنی سیّدنا آدم علیہ السلام کے حالات) سے نہ ہوگا نیز اِس تفسیر کے بموجب یہ اعتراض بھی وارد نہ ہوگا کہ اگر اس قسم کا کوئی معاہدہ ہوا تھا تو یاد کیوں نہیں اور جب یاد نہیں رہا تو معاہدہ سے فائدہ کیا تھا اور اُس کی مخالفت کی بناء پر اولادِ آدم کس طرح مستوجبِ سزا و عذاب ہو سکتی ہے۔

علامہ موصوف تو یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ محققین علماء کا قول یہی ہے لیکن اِس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ محققین علماء نے آیت کی تفسیر اُس کے ظاہری ترجمہ کے مطابق ہی کی ہے جس کی توضیح

[1] مسلم شریف کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا و اھلھا رقم الحدیث : ۲۸۶۵

ترمذی شریف کی حدیث سے ہوتی ہے جس کو مصنف نے ''حسنٌ صحیحٌ'' کہا ہے۔ رہی دوسری آیت یا بخاری اور مسلم کی احادیث تو وہ دوسرے معنٰی اَدا کر رہی ہے جس کا آیتِ الست سے کوئی معارضہ نہیں کیونکہ عہدِ الست کی آیت کا مضمون یہ ہے کہ جس طرح حضرت حق جل مجدہٗ نے آدم علیہ السلام کو خلعتِ خلافت سے نوازا، ملائک سے اُس کا اقرار کرایا، شیطان کو بغاوت و تمرد کی بناء پر ملعون کیا اِسی طرح اولادِ آدم سے بھی ایک عہد لیا اور اِسی طرح انبیاء علیہم السلام سے بھی ایک معاہدہ ہوا (جس کا ذکر اِنشاء اللہ آئندہ آئے گا) یہ تمام واقعات پیدائش آدم کے وقت ہوئے۔

اب لامحالہ ملائک، اولادِ آدم اور شیاطین کل مخلوقات اور تمام کائنات کے تین ہیرو ہوں گے، اِن میں سے ہر ایک کی فطرت دوسرے سے کچھ مختلف رہی :

☆ ملائک کی خیرِ محض اور سراسر اطاعت جن سے معصیت کا صدور ہو ہی نہیں سکتا ﴿لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَا اَمَرَھُمْ﴾.

☆ شیاطین کی فطرت شرِ محض، سراسر تمرد جس سے خیر کا صدور نہیں ہوگا۔

☆ اِنسان اور جن کی فطرت ربوبیت کی معترف ہے، حضرتِ حق کو پروردگار تسلیم کرنا اُس کا طبعی جذبہ ہے جس میں کبھی کوئی انحراف نہیں چنانچہ اِرشادِ ربانی ہے :

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ o مَآ اُرِیْدُ مِنْھُمْ مِنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنِ ﴾ (سُورہ طور : ۵۶،۵۷)

''یعنی انسان اور جن کا فطری جذبہ عبادت اور حضرتِ حق کے سامنے نیازمندی ہے، کمائی اور اکتسابِ رزق اُس کا فطری جوہر نہیں۔''

لیکن مطلوب یہ ہے کہ وہ صرف اِسی فطری جذبہ پر اِکتفاء نہ کرے بلکہ خلافتِ الٰہیہ کے تقاضے کے بموجب وہ قدوسی صفات اپنے اندر پیدا کرے، ربانی اخلاق کا خوگر ہو، اُس کو ﴿اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ﴾ ''سب سے بہتر فطرت'' عطا فرمائی گئی کہ وہ خداوندِ عالم کو دیکھے بغیر اُس کی آیات اور اُس کی خلاّقیت کی

نشانیوں میں غور و فکر کر کے کفر و شرک سے محفوظ رہ سکے۔

روشن آفتاب کی معجز نما سنہری کرنیں اگر کسی وقت اُس کی بصارت کو خیرہ کر کے اُس سے ﴿هٰذَا رَبِّیْ هٰذَا اَكْبَرُ﴾ [1] کہلوادیں تو تھوڑی دیر بعد جب غروب کی زردی آفتاب کے چہرہ کی رونق کو ماند کر کے تاریکی کی چادر اُس پر تاننے لگے تو وہ ﴿اِنِّیْ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ﴾'' [2] کہہ کر اپنے اِس وسوسہ سے توبہ کر لے اور فطرتِ سلیم واحدِ برحق کے اعتراف پر اُس کو مجبور کر کے کہلوادے ﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ ''میں نے اپنا رُخ اُسی ذات کی طرف پھیر لیا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ماسوا سے منہ موڑ کر اور میں مشرک نہیں۔''

بے شک اِنسان ''ظلوم وجہول'' بھی ہے مگر اُس کے یہی معنی ہیں کہ اُس میں ''عدل وانصاف اور علم وفکر'' کی طاقت فطرت نے ودیعت فرمائی ہے

کیونکہ ''ظالم'' اُسی کو کہا جاتا ہے جس میں ''عدل وانصاف'' کی طاقت ہو اور پھر وہ اُس پر عمل نہ کرے، ''جاہل'' اُسی کو کہتے ہیں جس میں ''علم'' کی صلاحیت ہو اور اُس کو وہ بیکار کر دے۔

دیوار، درخت، پتھر، گھوڑے، گدھے کو کوئی بھی ظالم یا جاہل نہیں کہتا کیونکہ اُن میں عدل وعلم کی طاقت ہی نہیں یہی باعث ہے کہ اُس کو خداوندی امانت اور ربانی الہام ووحی عنایت فرمائی گئی۔

﴿ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا﴾ (سُورۃ الاحزاب :۷۲)

''ہم نے امانت کو آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں کے سامنے رکھا اُنہوں نے اِس کے اُٹھانے سے انکار کر دیا اور اِس سے خوف کھا گئے، انسان نے اِس کو برداشت کر لیا کیونکہ وہ ظلوم تھا (جس کے بجائے اِس کو عادل بنانا مقصود ہے) جہول تھا (یعنی جاہل تھا جس کے بجائے اِس کو عالم بنانا پیشِ نظر ہے)۔''

---

[1] یہ میرا پروردگار ہے یہ سب سے بڑا ہے۔ [2] میں غروب ہونے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

علامہ اِبن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے جو آیت اور اُس کی تفسیر میں جو اَحادیث پیش کی ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ اِس فطری صلاحیت میں تمام انسان برابر ہوتے ہیں، پیدائشی طور پر کوئی بھی کافر اور مشرک نہیں ہوتا یہ اُس کے مربی اور اُس کے اعزاء واَقارب کا قصور ہے کہ اُس کو خدا سے منحرف کر دیں دینِ برحق سے ہٹا دیں، معاذ اللہ ! مختصر یہ ہے کہ یہ دونوں آیتیں الگ الگ مفہوم ادا کر رہی ہیں۔

عہدِ الست والی آیت پیدائشِ انسانی کی ابتدائی کیفیت بیان کرتی ہے جس طرح قرآنِ پاک میں بہت جگہ آسمان، زمین، پہاڑ، عرش وغیرہ کی پیدائش کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

اور دُوسری آیت جس کو علامہ موصوف نے پیش کیا تھا وہ دُنیا میں آنے والے انسانوں کی فطری صلاحیت کی مساوات اور یکسانیت ظاہر کرتی ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

شکوک وشبہات کا اِزالہ :

سوال کیا جاتا ہے کہ اگر واقعی ازل میں کوئی عہد اِس قسم کا لیا گیا تھا تو وہ یاد کیوں نہیں رہا ؟ اور جبکہ یاد نہیں تو اُس کی مخالفت پر سزا اور عتاب کیسا ؟ ؟ ؟

لیکن انسان اگر اپنے ابتدائی حالات پر غور کرے تو اِس قسم کے سوال کی قطعاً جرأت نہیں کر سکتا آپ کی نوِشت وخواند[1] کا سارا مدار ''الف، با'' پر ہے مگر کیا آپ کو یاد ہے کہ آپ نے کب اور کہاں بیٹھ کر سب سے پہلا سبق لیا تھا اور اگر بالفرض یہ یاد بھی ہو تو اُس سے پیشتر کے واقعات میں سے تو ایک بھی یاد نہ ہوگا ! ! ! لیکن کیا یاد نہ رہنا بھی خلافِ عقل کے جواز کے لیے دلیل ہو سکتا ہے ؟ ؟ ؟

کیا کسی کو اپنی ولادت یاد ہوتی ہے ؟ ؟

پھر ماں کو ماں اور باپ کو باپ ماننے کا اُس کے پاس کیا ثبوت ہے ؟ ؟ ؟

صرف یہی ماں باپ کے تعلقات اور لوگوں کا بتانا یعنی عام شہرت اور دُوسروں کا بیان اور وہ نشانیاں یا علامتیں جن کو وہ خود دیکھتا ہے، اگرچہ شکوک وشبہات کو یہاں بھی بہت گنجائش ہے، ماں کے ماں

[1] لکھنے پڑھنے

ہونے پر عینی شاہد اُس کو مل سکتے ہیں لیکن باپ کے باپ ہونے پر تو ایک بھی شاہد اُس کو نہیں مل سکتا ! ! !

صرف ماں کا بیان ہی ہے ! ! ! یعنی دُنیا بھر میں صرف ایک عورت کا بیان ! ! !

لیکن حضرتِ حق جل مجدہٗ کی ربوبیت اور خالقیت پر انبیاء علیہم السلام اور اُن کے لاکھوں کروڑوں جانشین ہمیشہ اُس کو تنبیہ کرتے رہتے ہیں۔

علاوہ ازیں اُس کے گردو پیش کی تمام چیزیں حتی کہ خود اُس کے فطری اور طبعی اوصاف حالات اُس کے لیے خدا کی خدائی پر شاہد ہوتے ہیں ﴿ وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ o وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴾ [1] ''زمین میں نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لیے اور خود تمہارے اندر، کیا تم دیکھتے نہیں۔''

علاوہ ازیں غور فرمائیے خدا اور توحید کا اعتراف تو انسان کی طبیعت میں ایک طبعی چیز کی طرح پیوست ہے، کوئی مذہب یا کوئی دین بھی ایسا نہیں جس میں تمام کا مرجع ایک کو نہ مانا گیا ہو !

یہ دُوسری بات ہے کہ اُنہوں نے اپنی کج فہمی سے ایک کے سوا دُوسروں کے لیے بھی خدائی اختیارات مان لیے اور یہ شرک ہے، مگر چند معبود مانتے ہوئے ربِ اکبر ''بڑا خدا'' ایک ہی کو تسلیم کرتے ہیں ! !

حتی کہ دہریے جو بظاہر خدا کے منکر ہیں مگر اُن کے انکار کا یہی مطلب ہے کہ وہ خدا کو خدا نہیں مانتے دھوکے یا حماقت سے ''دہر'' کو خدا ماننے لگے ! ! !

یورپ یا یونان کے ملحد اور زندیق فلاسفہ خدا کو خدا کے نام سے یاد نہیں کرتے وہ عِلَّةُ الْعِلَلْ [2] یا اِس قسم کے کسی فلسفی لفظ سے اُس کو یاد کرتے ہیں، وہ اُس کے اوصاف نہیں مانتے جو اہلِ مذہب نے مانے ہیں مگر اِس تمام دائرہ تکوین اور تمام حوادثات کا مرجع ایک ہی کو مانتے ہیں۔

اِن کی مثال اُس شخص جیسی ہے جس نے باپ کے وجود سے تو انکار نہیں کیا لیکن اپنے باپ کے سوا کسی اجنبی شخص یا کسی جانور کو باپ مان لیا ! ! !

---

[1] سُورۃ الذاریات : ۲۰ ، ۲۱ [2] سب کل پرزوں کی ایک کل یا سب کنجیوں کی ایک کنجی

بہرحال یہ اجمالی تخیل جو ہر ایک کی فطرت میں ہے اُس معاہدہ (اَلست) کے ثبوت کے لیے کافی ہے مگر شریعت نے صرف اتنی مقدار کو نجات کے لیے کافی قرار نہیں دیا بلکہ اِس کے لیے اُس ہُدٰی اور ان احکام کی اتباع بھی ضروری ہے جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ انسان تک پہنچایا گیا اور جس کا سلسلہ آخر میں حضرت خاتم الانبیاء علیہم السلام پر مکمل کر کے تمام دُنیا کو آپ کی اتباع کا حکم دیا گیا، واللہ اعلم بالصواب [1]

عام عہد کے بعد خاص عہد، محمد ﷺ نبی الانبیاء کی حیثیت سے :

(۱) عہد الست، اُس کی تفسیر اور نوعیت اور اُس کے شکوک و جوابات اجمالی طور پر پیش کیے جا چکے، آج ایک دُوسرے عہد کا ذکر ہے جس کے متعلق کوئی ایسی روایت نہیں ملی جس سے صراحۃً اِس عہد کا بعد میں ہونا معلوم ہو، کچھ قرائن عہد الست کو ضرور مقدم قرار دیتے ہیں مثلاً

عہد الست حضرتِ حق جل مجدہٗ کی ربوبیت کے متعلق تھا۔

اور یہ خاص منصبِ نبوت و رسالت کے متعلق ہے۔

نبوت کا ماننا لامحالہ خدا اور رب کو مان لینے کے بعد ہی ہوگا۔

(۲) پہلے عہد کا وقت بتایا گیا ہے جبکہ آدم علیہ السلام کی پشت سے اُن کی ذُرّیات کو نمودار کیا گیا اور اِس عہد کا وقت وہ بتایا گیا ہے کہ جب اُس کی اولاد میں سے انبیاء کو منتخب کر لیا گیا چنانچہ اِرشاد ہے :

﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتَابٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ ط قَالَ ءَ اَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ ط قَالُوْآ اَقْرَرْنَا ط قَالَ فَاشْھَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰھِدِیْنَ o فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَاسِقُوْنَ ﴾ (سُورہ اٰلِ عمران : ۸۱، ۸۲)

---

[1] یہ ایک ضمنی بحث تھی جو مختصر طور پر یہاں ذکر کی گئی تفصیلی جواب کے لیے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ بانی دارُ العلوم دیوبند کی تصنیف ''اِنتصار الاسلام'' کا مطالعہ فرمائیے۔

''جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کا میثاق لیا کہ جو کچھ بھی میں نے تم کو کتاب اور حکمت دی ہے پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے اُن کتبِ الٰہیہ کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہیں تو تم اُس پر ضرور ایمان لاؤ گے اور ضرور ضرور اُس کی مدد کرو گے باری تعالیٰ نے فرمایا کیا تم نے اِقرار کیا اور اِس شرط پر میرا عہد قبول کر لیا ؟ اُنہوں نے جواب دیا، ہم نے اقرار کیا، باری تعالیٰ عزاسمہ نے فرمایا کہ تم گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ شاہد ہوں پھر جب کوئی اِس کے بعد اِس معاہدہ سے منحرف ہوگا وہ فاسق ہوگا۔''

آیتِ مذکورہ کے بعد اِس عہد و معاہدہ کے برحق ہونے میں تو ایک مسلمان کے لیے شک وشبہ کی گنجائش قطعًا نہیں البتہ یہ سوال باقی رہا کہ یہ عہد کس سے لیا گیا، آیا عام طور پر حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے یا خاص انبیاء علیہم السلام سے ؟

علماءِ مفسرین سے دونوں تفسیر مروی ہیں سیّدنا شاہ ولی اللہ صاحب، سیّدنا شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ اور تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک یہ عہد بھی عام انسانوں سے لیا گیا گویا ذُرّیاتِ آدم سے دو عہد لیے گئے ایک رب العالمین کی ربوبیت پر، دُوسرا انبیاء علیہم السلام کی نبوت پر۔ اِس تفسیر کے بموجب عہد کے یاد نہ رہنے کا اشکال یہاں بھی وارد ہوگا جس کے متعلق سرسری طور پر اِتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ تمام مذاہب متفقہ طور سے اِس بات کے مدعی ہیں کہ اُن کا مذہب خدا نے کسی کے ذریعہ سے اُن پر نازل کیا، یہ دُوسری بات ہے کہ اُس لانے والے کے متعلق اُن کے عقائد میں اکثر افراط و تفریط ہوگئی ہے مثلاً عیسائیوں نے اُس لانے والے کو ''اللہ کا بیٹا'' مان لیا، ہندو اُن کو ''اوتار'' یعنی خداوند عالم کا مظہر قرار دیتے ہیں مگر اِس پر جملہ مذاہب کا اتفاق ہے کہ

''خدا کی طرف سے انسان کی ہدایت کے لیے کوئی ذریعہ قائم کیا گیا''

دہریوں کی تھوڑی سی مقدار کو چھوڑ کر ربوبیت کی طرح سے بعثت اور نزول کا عقیدہ بھی ایک فطری جذبہ بن گیا ہے۔

لیکن اکابر مفسرین نے اِس کو مخصوص عہد قرار دیا ہے جو صرف انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا۔

عہد کا حاصل اور مفاد :

دو مضمون اِس عہد کا لب ِلباب ہیں :

(۱) حضرت طاؤس، حسن بصری اور قتادہ رضی اللہ عنہم اِس عہد کا حاصل یہ قرار دیتے ہیں :

اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ اَنْ یُّصَدِّقَ بَعْضُھُمْ بَعْضًا.[1]

''اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے یہ عہد لیا کہ ایک دوسرے کی تصدیق کیا کریں گے۔''

(۲) سیّدنا علی ابن ابی طالب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :

مَا بَعَثَ اللّٰہُ نَبِیًّا مِنَ الْاَنْبِیَاءِ اِلَّا اَخَذَ عَلَیْہِ الْمِیْثَاقَ لَئِنْ بَعَثَ مُحَمَّدًا وَھُوَ حَیٌّ لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ وَلَیَنْصُرَنَّہٗ وَاَمَرَہٗ اَنْ یَّاْخُذَ الْمِیْثَاقَ عَلٰی اُمَّتِہٖ لَئِنْ بُعِثَ مُحَمَّدٌ وَھُمْ اَحْیَاءٌ لَیُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَیَنْصُرُنَّہٗ.(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۴۶)

''جس نبی کو بھی خداوندِ عالم نے مبعوث فرمایا اُس سے عہد لے لیا کہ اگر اُن کی زندگی میں محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا تو ضرور بالضرور آپ پر ایمان لائیں گے اور اُن کی اِمداد فرمائیں گے اور اُن کو یہ بھی حکم فرمادیا کہ اپنی اُمت سے بھی اِس کا عہد لے لیں کہ اگر اُن کی زندگی میں رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوں تو ضرور ضرور اُن پر ایمان لائیں اور اُن کی تائید و اِمداد کریں۔''

اِسی آخری مضمون کی تائید دُوسری احادیث سے بھی ہوتی ہے اِرشاد ہوتا ہے :

وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَوْ اَصْبَحَ فِیْکُمْ مُوْسٰی ثُمَّ اتَّبَعْتُمُوْہُ وَتَرَکْتُمُوْنِیْ لَضَلَلْتُمْ ، اِنَّکُمْ حَظِّیْ مِنَ الْاُمَمِ وَاَنَا حَظُّکُمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ .[2]

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۴۶ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۴۶

''قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے اگر تم میں موسیٰ (علیہ السلام) موجود ہوں اور تم مجھ کو چھوڑ کر اُن کی اتباع کرو تو تم گمراہ ہو جاؤ، تم اُمتوں میں سے میرا حصہ ہو اور میں نبیوں میں سے تمہارا حصہ۔''

دوسری حدیث میں ہے :

وَاللّٰہِ لَوْکَانَ مُوْسٰی حَیًّا بَیْنَ اَظْھُرِکُمْ مَا حَلَّ لَہٗ اِلاَّ اَنْ یَّتَّبِعَنِیْ [1]

''خدا کی قسم ! اگر موسیٰ (علیہ السلام) تمہارے درمیان میں زندہ ہوں تو اُن کے لیے صرف یہی شکل جائز ہوگی کہ وہ میری اتباع کریں۔''

علامہ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اِسی آخری مضمون کے اعتماد پر نہایت قوت سے بیان کیا کہ آپ تمام انبیا علیہم السلام کے نبی ہیں، یومِ ازل سے آپ نبی بنائے گئے تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت آپ کی نبوت و رسالت کا پرتو ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا اِرشاد ہے : کُنْتُ نَبِیًّا وَآدَمَ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ . ''میں اُس وقت نبی تھا جب آدم علیہ السلام کے پتلے کی مٹی تیار کی جا رہی تھی۔''

اور اگر غور کیا جائے تو رسول اللہ ﷺ کا اِرشادِ گرامی اَوَّلَ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ ''سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا کیا'' بھی آپ کے نبی الانبیاء ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اِس حدیث کا مفاد یہ ہے کہ

(۱) صفاتِ الٰہیہ کے اِلتفات و اِنعطاف کا سب سے پہلا ثمرہ نورِ محمدی ہے (ﷺ)۔

(۲) جبکہ باری تعالیٰ عز اسمہٗ کی ہر صفت کمال ہی کمال ہے تو لا محالہ سب سے پہلی مخلوق کامل اور مکمل، اکمل اور افضل ہوگی اور جبکہ نبوت ایک اعلیٰ کمال ہے تو لا محالہ سب سے پہلی مخلوق اِس صفت سے بھی موصوف ہوگی۔

لطیفہ :

اِس نور کا مخصوص وصف ''حمد'' تھا چنانچہ حامد، محمود، احمد، محمد اُس کے اسماءِ گرامی ہیں، اُسی کے

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج۲ ص ۲۴۶

ہاتھ میں قیامت کے روز ''لواءِ حمد'' ہوگا اور وہی عرشِ معلّٰی کے نیچے سر بسجود ہو کر ایسی حمد کرے گا جس کی نظیر سے سارا عالم خالی ہوگا۔ حمد کے معنی ہیں ثنا خوانی، نیاز مندی، خالق کی بارگاہ میں سجدہ ریزی، خشوع، خضوع، اپنے رب کے آستانہ پر جبہ سائی[1]، تضرع اور ابتہال، شکر اور امتنان۔

خداوند عالم نے قرآنِ پاک میں اپنی عادت یہ بتائی ہے :

﴿ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ﴾ '' اگر تم شکر کرو تو میں بڑھاؤں گا ''

اِس نورِ کامل و مکمل کی کامل و مکمل حمد کا اثر تھا کہ سلسلۂ مخلوقات میں وسعت اور پھیلاؤ شروع ہوا قلم، لوحِ محفوظ، عرش، کرسی، زمین، آسمان، فرشتے، جنات حتی کہ حضرت آدم اور اُن کی ذُرّیت پیدا ہوئی، نتیجہ کلام یہ کہ ساری کائنات کا مرجع اور مرکز ہی نورِ قدسی تھا، اُسی کے فیض سے جملہ کمالات جملہ موجودات کا ظہور ہوا چنانچہ اِرشاد ہے : لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمانوں (یعنی عالم) کو پیدا نہ کرتا۔

بہر حال جبکہ نورِ قدسی کائناتِ عالم کے جملہ کمالات کے لیے اصل ہوا تو انبیاء علیہم السلام کی نبوت، رُسل علیہم السلام کی رسالت، اولیاء اللہ کی ولایت کی اصل بھی وہی نورِ محمد ہوگا (ﷺ)، یہی باعث ہے کہ آپ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے نبی تھے۔

اور یہی باعث ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام سے آپ کی نبوت کا عہد لیا گیا۔

اور یہی سبب ہے کہ آپ خاتم الانبیاء ہوئے کیونکہ تخم اگرچہ اصل کے لحاظ سے مقدم ہوتا ہے مگر اپنے ظہور کے لحاظ سے درخت کے برگ و بار، ٹہنیوں، شاخوں پھول اور کلیوں غرض درخت کی تمام ہی چیزوں سے مؤخر ہوتا ہے، یہی سبب ہے کہ شبِ معراج میں آپ تمام انبیاء علیہم السلام کے امام بنائے گئے اور پھر اُس درجۂ اعلیٰ تک پہنچے جہاں تک کائنات کا کوئی فرد نہ کبھی پہنچ سکا اور نہ پہنچ سکے گا۔

یہی سبب ہے کہ آپ قیامت کے روز جیسے شفیع المذنبین ہوں گے اِسی طرح آپ شفیع الانبیاء بھی ہوں گے۔

---

[1] پیشانی زمین پر رکھنا۔

صحیح حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب تمام انسان ایک دراز عرصہ تک میدانِ حشر میں سرگرداں رہ چکیں گے اور اب تک اُن کا حساب و کتاب بھی شروع نہ ہوا ہوگا تو وہ اِس کی کوشش کریں گے کہ کوئی مقبولِ بارگاہ یہی دُعا کردے کہ حساب جلد شروع ہو جائے اور اِس سفارش کے لیے تمام انبیاء علیہم السلام کے پاس جائیں گے مگر یکے بعد دیگرے جملہ انبیاء علیہم السلام اِس خدمت کی بجا آوری سے معذرت کردیں گے، بالآخر وہ سیّد الانبیاء رحمۃ للعالمین ﷺ کی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوں گے آپ اُس وقت بارگاہِ ربِ صمد میں سرِنیاز خم فرما کر وہ حمد کریں گے کہ سارا عالم اُس کی نظیر سے عاجز ہوگا، تب اِرشادِ ربانی ہوگا : یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَکَ سَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ .[1]

''اے محمد (ﷺ) اپنا سر اُٹھاؤ مانگو عطا کیے جاؤ گے، شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔''

آنحضرت ﷺ کی یہ شفاعت تمام ہی انسانوں کے لیے عام ہوگی اِس کے بعد آپ کی شفاعت وقتاً فوقتاً اپنی اُمت کے لیے ہوگی، بہرحال آپ نہ صرف شفیع المذنبین ہیں بلکہ آپ شفیع الانبیاء شفیع عالم بھی ہیں، کیوں نہ ہوں آخر رحمۃ للعالمین ہیں اِرشادِ ربانی ہے ﴿ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ ﴾

(جاری ہے)

ماہنامہ اَنوار مدینہ لاہور میں اِشتہار دے کر آپ اپنے کاروبار کی تشہیر

اور دینی اِدارہ کا تعاون ایک ساتھ کر سکتے ہیں !

نرخ نامہ

بیرون ٹائٹل مکمل صفحہ	2000		اَندرون رسالہ مکمل صفحہ	1000
اَندرون ٹائٹل مکمل صفحہ	1500		اَندرون رسالہ نصف صفحہ	500

[1] بخاری شریف کتاب تفسیر القرآن رقم الحدیث ۴۷۱۲

﴿ فہرست مضامین مقالاتِ محمدیہ : حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحبؒ ﴾

نمبر شمار	موضوع
1	اِسلام کیوں ؟ آفاقی دین .... صرف اِسلام
2	''جمہوریت'' اپنے آئینہ میں اور اِسلامی نظامِ حکومت کا مختصر خاکہ
3	رُوح کیا ہے ؟
4	رمضان شریف، شبِ قدر، اِعتکاف
5	تکبیر اور تعظیم شعائر اللہ کا مقدس دِن ''عید''
6	خوارج اور فتنۂ وضعِ اَحادیث ۔ حضرت علیؓ کے ہاتھوں اِن کی بربادی
7	عید الاضحیٰ .... اَعمال، اَحکام، فضائل
8	حیاتِ مسلم کی ایک جھلک
9	اَعلیٰ اَخلاق کا معلم
10	دورِ حاضر کے سیاسی اور اِقتصادی مسائل اور اِسلامی تعلیمات و اِشارات
11	سرمایہ ختم کیا جائے یا بخل ؟
12	معراج سیّد المرسلین رحمۃ للعالمین ﷺ اور رؤیت باری تعالیٰ
13	حیاتِ سیّدنا آدم علیہ السلام

علمی مضامین سلسلہ نمبر۱۳ (قسط : ۳ ، آخری)

''خانقاہِ حامدیہ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائیونڈ روڈ لاہور کی جانب سے محدث، فقیہ، مؤرخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلف کتب کثیرہ شیخ الحدیث حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم مضامین جوتا حال طبع نہیں ہو سکے اُنہیں سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جبکہ اُن کی نوع بنوع خصوصیات اِس بات کی متقاضی ہیں کہ اِفادۂ عام کی خاطر اُن کو شائع کر دیا جائے۔ اِسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد و اَخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تاکہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔ (اِدارہ)

حیاتِ سیّدنا آدم علیہ السلام

﴿ حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحب ؒ ﴾

سیّدنا آدم علیہ السلام دُنیا میں :

جمعہ : یومِ پیدائش [۱] یعنی جس روز کالبدِ خاکی [۲] کو اِنسانی شکل مرحمت ہوئی۔

---

[۱] صحیح مسلم شریف میں ہے اُن تمام ایام میں کہ آفتاب طلوع کرتا ہے سب سے بہتر دن جمعہ ہے اِسی دن میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے اِسی دن جنت میں داخل کیے گئے اِسی دن جنت سے نکالے گئے اور اِسی دن قیامت ہوگی (صحیح مسلم شریف اور مسندِ احمد وغیرہ بحوالہ تاریخ ابن کثیر ج ا ص ۸۰) اِسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی وفات ہوئی۔ (طبقات ابن سعد ج ا ص ۸)

فائدہ : پیدائشِ انسانی کا جو مقصد ہے چونکہ جنت میں جانا جنت سے خارج ہونا اور قیامت وغیرہ اِس کے درمیانی مراحل مقرر کیے گئے ہیں لہٰذا اِن چیزوں کے وقوع کے دن کو بہتر اور اشرف بنایا گیا، واللہ اعلم (محمد میاں)

[۲] قالب، ڈھانچا (انسانی ڈھانچا)

جمعہ : دُنیا میں آنے کا دن یعنی جس روز جنت [1] سے خارج کرکے دُنیا میں بھیجا گیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کا حلیہ :

رنگ گندم گوں [2] آنکھیں سرمگیں [3] بال گھونگریالے، گھنے اور لانبے ایسے حسین اور خوبصورت کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے سوا اور کسی کو آپ کی اولاد میں ایسا حسن نہیں عنایت کیا گیا [4]

رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ساٹھ ہاتھ لانبا پیدا کیا پھر حکم فرمایا کہ آدم فرشتوں کے اُس مجمع کے پاس جاؤ اور اُن کو سلام کرو اور سنو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کے پاس پہنچ کر فرمایا : السلام علیکم !

فرشتوں نے جواب دیا : وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ !

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں جانے والوں کا قد یہی ہوگا یعنی ساٹھ ہاتھ لانبا،

---

[1] ''جنت'' کا لغوی معنی باغ ہیں، علماء کا اختلاف ہے کہ جنت جس میں آدم علیہ السلام کو رکھا گیا تھا وہ وہی جنت ہے جس کا تذکرہ شرعیات میں کیا جاتا ہے یعنی جو نیک بندوں کو بطورِ جزا عنایت فرمائی جائے گی یا کوئی اور جنت ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے چار قول نقل فرمائے ہیں :

(i) جمہور علماء کا قول یہی ہے کہ جنت سے مراد وہی جنت ہے جو اہلِ ایمان کو بطورِ جزاء کے مرحمت ہوگی۔

(ii) یہ ایک مخصوص باغیچہ تھا جو آسمانوں پر ہے حضرت آدم علیہ السلام اور حوا کو اِس میں رکھا گیا تھا، حضرت اُبی بن کعبؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت وہب بن منبہؒ، حضرت سفیان بن عیینہؒ وغیرہ سے یہی قول نقل کیا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ (تاریخ ابن کثیر ج ا ص ۷۵)

(iii) یہ مخصوص باغیچہ زمین ہی پر تھا۔ (ابن یحیٰی وغیرہ)

(iv) توقف کرنا چاہیے کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔ (تاریخ ابن کثیر ج ا ص ۷۵)

[2] طبقات ابن سعد ج ا ص ۱۰ [3] طبقات ابن سعد ج ا ص ۱۰ [4] طبقات ابن سعد ج ا ص ۱۳ بدلیل ارشادِ ربانی ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ﴾

پھر اولادِ آدم کا قد گھٹتا رہا [۱] آدم علیہ السلام کا عرض [۲] سات ہاتھ تھا [۳] کھجور کے تنے کی طرح چھریرہ اور لانبا قد، سر پر لانبے لانبے گھونگریالے گھنے بال۔ [۴]

فرودگاہ :

آدم علیہ السلام کو کس جگہ اُتارا گیا اِس میں مختلف اقوال ہیں جن کی تفصیل [۵] ذیل میں درج ہے

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ : حضرت آدم علیہ السلام کو ''دحناء'' میں اُتارا گیا، یہ مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔

☆ حضرت حسن بصریؒ : حضرت آدم علیہ السلام کو'' ہندوستان'' میں، حضرت حوا کو ''جدہ'' میں، ابلیس کو'' دستیمسان '' میں (جو بصرہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے)، سانپ کو ''اصبہان ''میں اُتارا گیا۔

☆ حضرت سُدّی رحمہ اللہ (جلیل القدر مفسر ہیں) : حضرت آدم علیہ السلام کو ''ہندوستان'' میں اُتارا گیا اور اُن کے ساتھ ''حجر اسود'' بھی تھا جو برف کی سل سے بھی زیادہ چمکیلا اور سفید تھا اور مٹھی بھر جنتی درختوں کے پتے تھے، ان پتوں کو سرزمین ہند میں بکھیر دیا جن سے خوشبودار درخت اور پودے پیدا ہوئے۔

☆ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما : حضرت آدم علیہ السلام کو'' صفا'' پر اور حضرت حوا کو'' مروہ'' پر، صفا اور مروہ مکہ معظّمہ میں دو پہاڑیاں ہیں دورانِ حج اِن کا طواف کیا جاتا ہے۔(ابن کثیر ۱/۸۰)

---

[۱] بخاری شریف وغیرہ۔ [۲] ایک ہاتھ (اُنگلیوں کے پور سے لے کر کہنی تک) عموماً انسان کی لمبائی کا ایک چوتھائی ہوتا ہے اب اگر سات ہاتھ یا ساٹھ ہاتھ مراد موجودہ زمانے کے ہاتھ کی لمبائی ہو تو آدم علیہ السلام کا قد تقریباً تیس گز ہوگا ورنہ قامت آدم علیہ السلام کی مقدار بتانی مشکل ہے مگر بظاہر ہاتھ سے مراد وہی ہے جس کو عرفاً ''ذراع یا ہاتھ'' کہا جاتا ہے کیونکہ محاوراتِ عربیہ میں ذراع سے یہی مراد ہوتی ہے اِس کے متعلق کچھ اِشارات پہلے بھی عرض کیے جا چکے ہیں۔ واللہ اعلم (محمد میاں) [۳] مسند امام احمد بن حنبلؒ، تاریخ ابن کثیر ۱/ ۸۸

[۴] طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۹، ۱۰ [۵] بحوالہ تاریخ ابن کثیر ج ۱ ص ۸۱

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ہندوستان کے ایک پہاڑ پر جس کا نام ''نوذ'' تھا حضرت آدم علیہ السلام کو اُتارا گیا اور حضرت حوا کو ''جدہ'' میں اُتارا گیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت کے کچھ پھول اور خوشبو بھی تھی جس کو سرزمین ہندوستان نے اپنے اندر فورًا ہی جذب کر لیا، یہی سبب ہے کہ پھولدار اور خوشبودار درخت ہندوستان میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ کون کون سی چیزیں نازل کی گئیں :

حضرت حوا، شیطان، سانپ، حجر اسود، جنتی درختوں کی پتیاں یا پھولوں کی پنکھڑیاں، وہ لاٹھی جو جنت کے درخت ''آس'' کی تھی اُس کا طول تیرہ ہاتھ تھا یہی لاٹھی ہے جو سلسلہ بسلسلہ حضرت موسٰی علیہ السلام تک پہنچی اور یہی لاٹھی تھی جو اظہارِ معجزہ کے وقت حضرت موسٰی علیہ السلام کی دعا اور التجا کے بموجب اژدھا بن جاتی تھی، موسٰی علیہ السلام کا قد بھی تیرہ ہاتھ لانبا تھا۔ اَلْمَرُّ یعنی بیلچہ، کدال، اَللُّبَانُ [1] اَلْکُنْدَرُ خاردار درخت یا صنوبر، اَلْعَلَاۃُ یعنی سِندان [2]، اَلْمِطْرَقَۃ یعنی ہتھوڑا، گھن، اَلْکَلْبَتَانْ سَنڈاسی [3]

﴿ فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ ﴾ :

''جنت سے خارج'' کیا جانا اور حضرت حق جل مجدہٗ کا ''عتاب'' مصیبت کے دو پہاڑ ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کے اُوپر تقدیر کے ہاتھوں توڑے گئے مگر وہی خدا وہی رب العالمین جس کی رحمت اُس کے غضب سے آگے آگے چلا کرتی ہے سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ [4] جس کی دائمی اور ابدی ندا ہے۔

﴿ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِہِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ﴾ (سُورۃ الزمر : ۵۳)

''اے میرے بندو ! جو اپنے نفوس پر زیادتی کر چکے ہو خدا کی رحمت سے مایوس مت ہو خداوندِ عالم تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے۔''

---

[1] ممکن ہے کاتب کی غلطی سے اَلْمِلْبَنْ کے بجائے اَللُّبَانُ لکھا گیا ہو، اَلْمِلْبَنْ کا مطلب ہے اینٹوں کا سانچہ۔

[2] لوہے کی چورس تختی جس پر لوہار لوہا رکھ کر ضرب لگاتا ہے۔ [3] چمٹا، دست پناہ [4] بخاری شریف : ۷۵۵۳

اُس کی رحمت کی پوشیدہ عنایت ابرِ نیساں [1] بن کر حضرت آدم علیہ السلام پر برسی اور اُس کی شادابی حضرت آدم کے غنچۂ دل کی طرف لپکی، وہ فطری شرف جو مدارِ فضیلت تھا جو بناءِ خلافت تھا نمودار ہوا اور حضرت آدم علیہ السلام کے قلب کو فرطِ ندامت سے پانی پانی کر دیا، جگر خون بنا اور آنکھوں سے یک لخت بہنے لگا، قلب و جگر کے تاثر نے آنکھوں کی طرح زبان کو بھی متاثر کیا اور بقول حضرت مجاہدؒ اِس قسم کے کلمات حضرت آدم علیہ السلام کی زبان سے جاری ہوئے :

اَللّٰھُمَّ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ وَبِحَمْدِکَ ، ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ اِنَّکَ خَیْرُ الْغَافِرِیْنَ .

''اے اللہ ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہر ایک عیب سے پاک ہے، میں تیری حمد کرتا ہوں، میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا خداوندا میری مغفرت فرما تو بہت ہی اچھا بخشنے والا ہے۔''

اَللّٰھُمَّ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ وَبِحَمْدِکَ ، رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ اِنَّکَ خَیْرُ الرَّاحِمِیْنَ .

''اے اللہ ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہر ایک عیب سے پاک ہے، میں تیری حمد کرتا ہوں، اے رب میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا میری مغفرت فرما تو اَرحم الراحمین ہے''

اَللّٰھُمَّ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ وَبِحَمْدِکَ ، رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ.

''اے اللہ ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہر ایک عیب سے پاک ہے، میں تیری حمد کرتا ہوں، اے میرے رب میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا میری توبہ قبول فرما تو توّاب اور رحیم ہے۔''

---

[1] شمسی مہینے نیساں میں (جو اپریل مئی کے مطابق ہوتا ہے) برسنے والا بادل، مشہور ہے کہ اِس سے سیپی میں موتی، کیلے میں کافور اور بانس میں بنسلوچن بنتا ہے۔

سعید بن جبیر، ابو العالیہ، ربیع بن انس، حسن، قتادہ، محمد بن کعب، خالد بن معدان، عطاء خراسانی، عبدالرحمن بن زید بن اسلم نیز مجاہد رضی اللہ عنہم کا قول یہ ہے کہ حضرت آدم کی دعا یہ تھی :

﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ [1]

''اے رب ہمارے ! ہم نے اپنے نفس پر ظلم کیا اگر آپ نے ہماری مغفرت نہ فرمائی اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم خاسر ہو جائیں گے۔''

ناظرین کرام سمجھ سکتے ہیں کہ مضمون ایک ہی ہے صرف الفاظ کا فرق ہے۔ ابن عساکر، بیہقی، حاکم نے ایک ضعیف سند سے بیان کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے پکارا : يَا رَبِّ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لَمَا غَفَرْتَ لِیْ. [2] ''اے رب ! بحق محمد (ﷺ) میری مغفرت فرما۔''

حضرت حق کی جانب سے سوال کیا گیا تم نے محمد کو کیسے پہچانا ؟

حضرت آدم : جب تو نے مجھے پیدا کیا اور میں نے عرشِ معلی پر نظر ڈالی تو میں نے دیکھا کہ عرش کے پالوں [3] پر لکھا ہوا ہے : لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

میں نے جب ہی جان لیا کہ آپ کے نام کے ساتھ اُسی کا نام ملا کر لکھا گیا ہے جو تمام مخلوق میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔

حضرت حق جل مجدہٗ : آدم سچ کہتے ہو بیشک وہ تمام مخلوق میں سب سے محبوب ہیں اور جب تم اُن کے طفیل میں مجھ سے معافی چاہتے ہو تو میں نے تم کو معاف کیا۔ اگر ''محمد'' نہ ہوتے تو میں تم کو بھی پیدا نہ کرتا (ﷺ)۔ نیز امام بیہقیؒ فرماتے ہیں اِس روایت کو صرف عبدالرحمن بن زید بن اسلم نے بیان کیا ہے مگر قابلِ اعتبار نہیں۔ [4]

القصہ دُعا کے لیے حضرت آدم علیہ السلام نے کچھ بھی کلمات استعمال کیے ہوں بہر حال نتیجہ یہ تھا ﴿ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى﴾ [5] ''خدا نے اُس کو برگزیدہ بنایا توبہ قبول کی اور ہدایت سے نوازا۔''

---

[1] سُورۃ الاعراف : ۲۳ [2] المُستدرك للحاكم رقم الحديث ۴۲۲۸ [3] پشتے

[4] تاریخ ابن کثیر ج ۱ ص ۸۱ [5] سُورہ طٰهٰ : ۱۲۲

قیامِ جنت اور جلا وطنی کی مدت :

جنت میں قیام فرمانے کے متعلق قرآنِ پاک اور مستند احادیث میں کسی مدت کا ذکر نہیں بلکہ آیاتِ قرآنی کی سیاق سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام چیزیں سلسلہ وار مزید تاخیر کے بدون ظہور پذیر ہوتی رہیں مگر بعض روایات میں اِن واقعات کی مدت کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے چنانچہ ابن سعد نے طبقات میں حضرت حسنؒ سے نقل کیا ہے کہ جنت سے نکلنے پر حضرت آدم علیہ السلام تین سو برس روتے رہے۔[۱]

ایک طویل روایت کے ضمن میں ابن سعد نے بیان کیا ہے کہ :

''آدم و حوا'' کا دوبارہ اجتماع مقامِ مُزدلفہ پر ہوا حضرت حوا کھسکتی ہوئی حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچ گئیں اِسی مناسبت سے اُس مقام کا نام ''مُزدلفہ'' [۲] نیز اِسی مقام کو ''جمع'' بھی کہتے ہیں کیونکہ حضرت حوا اور حضرت آدم علیہ السلام کا اجتماع اِسی مقام پر ہوا تھا۔

مقامِ عرفات پر ایک دوسرے کو پہچانا چنانچہ اس کا نام ''عرفات'' ہوا [۳] اور دو سو برس تک اپنے فعل پر روتے رہے اور چالیس روز تک کچھ کھایا پیا نہیں اور سو برس تک حضرت حوا کے پاس نہیں گئے اس کے بعد حضرت حوا سے مباشرت ہوئی تو سلسلۂ ولادت جاری ہوا۔'' (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۳)

حافظ ابن عساکرؒ نے امام تفسیر حضرت مجاہدؒ سے روایت کیا ہے کہ

''اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کو اللہ کی ہمسائیگی سے الگ کر دیں چنانچہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے سر سے ٹوپی اُتاری اور حضرت میکائیل علیہ السلام نے مرصع پٹی جو پیشانی پر بندھی ہوئی تھی کھول دی اِسی اثناء میں ایک ٹہنی حضرت آدم علیہ السلام کے بدن سے اُلجھ گئی، سیّدنا آدم پہلے ہی خوفزدہ خوفِ الٰہی اور خشیتِ الٰہی کے باعث حواس باختہ ہو رہے تھے اِس اُلجھاؤ سے سمجھ گئے کہ عذابِ الٰہی آ گیا، فوراً اَلْعَفْو اَلْعَفْو کہتے ہوئے نیچے کو سر جھکا لیا۔

---

[۱] طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۰ [۲] از دلاف، کھسکنا، قریب ہونا [۳] ماخوذ از معرفت

ارشادِ الٰہی ہوا : آدم کیا بھاگنے کے لیے نیچے کود بک رہے ہو ؟

حضرت آدم : میرے مالک حیا کے باعث سرنگوں ہوں، تجھ سے بھاگ کر کہاں جاؤں ؟ ''

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا :

'' آدم علیہ السلام کا بدن چھریرہ تھا، قد دراز جیسے کھجور کا تنہ، سر پر لانبے لانبے گھنے بال، جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی تو اُن کی شرمگاہ نظر آنے لگی پہلے دکھائی نہیں دیتی تھی [1] تب حضرت آدم علیہ السلام گھبرا کر جنت میں بھاگنے لگے تو ایک درخت میں اُلجھ گئے آپ نے فوراً کہا .... چھوڑ

درخت : نہیں چھوڑوں گا۔ آپ درخت کی اِسی حالی یا قالی گفتگو میں مشغول تھے کہ ندا آئی : آدم .... مجھ سے بھاگتے ہو۔

حضرت آدم علیہ السلام : '' خداوندا شرمندہ ہوں منہ چھپاتا ہوں۔'' [2]

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسان بن عطیہؒ سے نقل کیا ہے کہ

'' حضرت آدم علیہ السلام جنت میں سو سال رہے اور ایک روایت میں ستر سال کا تذکرہ ہے اور جنت سے نکالے جانے پر ستر سال روئے، اپنی خطا پر ستر سال اور لڑکے کے قتل کیے جانے پر چالیس سال۔'' [3]

سلسلۂ پیدائش :

یہ پہلے گزر چکا کہ نصِ قرآن نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کے فراق کی کوئی مدت بیان نہیں کی اور نہ وضاحت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ باہمی فراق بھی ہوا تھا البتہ کچھ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک عرصہ تک حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کے درمیان فراق رہا، مقدارِ مدت کے بیان میں روایتوں کا اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں فراق کی مدت سو سال

---

[1] یعنی برہنہ ہوگئے [2] طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۹ [3] تاریخ ابن کثیر ج ۱ ص ۸۰

بتائی گئی ہے، بہرحال دُنیا میں اجتماع ہوا تو سلسلہ ولادت شروع ہوا، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہر مرتبہ ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتی تھی۔ (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۰)

پہلوٹا لڑکی یا لڑکا :

سب سے پہلے ''قابیل'' اور اُس کی بہن ''لبود'' پیدا ہوئے، دوسری مرتبہ میں ''ہابیل'' اور اُن کی بہن ''اَقلیم'' پیدا ہوئے، اِن کے بعد حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے اور اُن کی بہن جن کا نام ''عزورا'' تھا، حضرت شیث کا نام ھِبۃُ اللّٰہ رکھا گیا گویا ''ہبہ'' کا لفظ ''ہابیل'' سے ماخوذ ہے کیونکہ جب حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بشارت دی تھی کہ خداوندِ عالم نے ہابیل کے عوض میں ہبہ فرمایا ہے۔[۱]

حضرت آدم علیہ السلام نے اِن ہی کو اپنی وفات کے وقت وصیت فرمائی تھی، حضرت شیث کی پیدائش کے وقت حضرت آدم علیہ السلام کو دُنیا میں آئے ہوئے ایک سو تیس سال گزر چکے تھے۔[۲]

شبہ شرک فی الصفات اور خداوندی تنبیہ :

ابن سعد نے ایک طویل روایت کے ضمن میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ

''اِس کے بعد پھر حضرت حوا کو اِستقرارِ حمل ہوا مگر اِس مرتبہ ان کو گرانی بہت زیادہ تھی، انہیں تعجب تھا کہ اِس مرتبہ انہیں اِس قدر گرانی کیوں ہے !

شیطان ایک مقدس شکل بنا کر سامنے آیا اُس نے دریافت کیا :

حوا تمہارے پیٹ میں کیا ہے ؟ حضرت حوا : مجھے خبر نہیں !

شیطان : مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کوئی جانور ہے ؟ حضرت حوا : شاید ایسا ہی ہو۔

چند دن بعد شیطان پھر سامنے آیا حضرت حوا کی گرانی دن بدن زیادہ ہوتی جاتی تھی شیطان نے حالت دریافت کی۔

حضرت حوا نے فرمایا : شاید آپ کا خیال صحیح ہو غالبًا کوئی جانور ہی ہے۔

---

[۱] جو شہید ہو چکے تھے جن کا تذکرہ آئندہ آئے گا۔ [۲] طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۴

شیطان نے کہا : اگر میں دعا کروں اور جانور انسان ہو جائے تو کیا تم اُس کا نام میرے نام پر رکھ دوگی ! حضرت حوا نے فرمایا : ضرور، اِس میں کیا خرابی ہے ؟ شیطان چلا گیا حضرت حوا نے حضرت آدم علیہ السلام سے واقعہ بیان کیا، اب آدم اور حوا دونوں کو اِس حمل کا خیال رہنا ضرور تھا اور وہ دعا مانگا کرتے تھے :

﴿لَئِنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَکُوْنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیْنَ﴾ ''خداوندا ! اگر آپ ہمیں اچھا لڑکا عنایت فرمائیں تو ہم شکر گزار رہوں گے۔''

خداوندِ عالم کا فضل ہوا صحیح و سالم بچہ پیدا ہوا تو شیطان حضرت حوا کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ وعدہ پورا نہیں کرتیں، اِس کا نام میرے نام پر نہیں رکھا، حضرت حوا نے فرمایا تمہارا نام تو معلوم تھا ہی نہیں نام بتا دیجئے، شیطان کا نام ''عزازیل'' ہے لیکن اگر وہ یہ نام بتاتا تو حضرت حوا پہچان جاتیں لہٰذا اُس نے اپنا نام ''حارث'' بتایا چنانچہ حضرت حوا نے اِس کا نام ''عبدالحارث'' بندۂ حارث رکھا، خدا کی شان وہ لڑکا مرگیا۔[1]

تب خداوندِ عالم کی جانب سے تنبیہ نازل ہوئی جس کا ذکر قرآنِ پاک میں اس طرح فرمایا گیا ﴿فَلَمَّا اٰتٰھُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَہٗ شُرَکَآءَ فِیْمَا اٰتٰھُمَا فَتَعَالَ اللّٰہُ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ﴾ [2] ''جب خداوندِ عالم نے اُن کو اچھا لڑکا عنایت فرمایا تو خدا کے عطیہ میں وہ دوسروں کو شریک گرداننے لگے خدا کی شان اُن کے شرکا سے بہت بلند ہے۔''

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۴، کہہ سکتے ہو کہ آج جو کچھ ہو رہا ہے فطرت نے اُس کا تخم حضرت آدم کی حیات ہی میں انسانی طبیعت میں ودیعت فرما دیا تھا مگر ابن اثیرؒ نے اِس روایت کی مخالفت کی ہے اور اِستدلال یہ ہے کہ قرآنِ پاک میں احسان فرماتے ہوئے باری تعالیٰ کا اِرشاد ہے ﴿فَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً﴾ تو اب اولاد کا مرنا اِس آیت کے مقتضٰی کے خلاف ہے نیز نبوت آدم اور حضرت حوا کی نیکی اور صلاحیت اِس سے مخالف ہے حافظ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بظاہر آیت سے مراد خاص حضرت آدم اور حوا کا واقعہ نہیں بلکہ نوعِ انسان کی عام حقیقت بیان کرنی مقصود ہے (واللہ اعلم بالصواب)۔

[2] سُورۃ الاعراف : ۱۹۰

حضرت آدم علیہ السلام کے بچے :

حضرتِ حوا کے بطن سے ۴۰ بچے پیدا ہوئے [۱] ایک قول ہے کہ ۱۲۰ بچے پیدا ہوئے، ہر لڑکے کے ساتھ ایک لڑکی پیدا ہوتی تھی، سب سے پہلے قابیل اور اُس کی بہن اقلیم اور سب سے آخر میں عبدالمغیث اور بہن اُم المغیث پیدا ہوئے۔ [۲]

وفات کے وقت اولادِ آدم (علیہ السلام) کی تعداد :

طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات اُس وقت ہوئی جبکہ آپ کے پوتے پڑپوتے چالیس ہزار ہوچکے اور جبکہ آپ نے اُن کو زنا اور شراب خوری میں مبتلا ہوتے دیکھ لیا یہ سب لوگ ''نوذ'' مقام پر رہا کرتے تھے جو ہندوستان میں تھا۔ (تاریخ ابن کثیر ص ۹۶)

ذرائع کسب :

حضرت موسٰی اشعری رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں فرماتے ہیں جب خداوند عالم نے حضرت آدم علیہ السلام کو دُنیا میں اُتارا تو ہر ایک چیز بنانے کا طریقہ (صنعت) ان کو سکھا دی تھی اور ان کو جنت کے پھلوں کا توشہ دیا تھا چنانچہ آج یہ تمہارے وہ جنت ہی کے پھل ہیں مگر فرق یہ ہے کہ دُنیا کے پھل بدلتے رہتے ہیں (سڑ جاتے ہیں سوکھ جاتے ہیں وغیرہ) اور جنت کے پھل متغیر نہیں ہوتے۔ [۳]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے جو خوراک دی گئی وہ گیہوں کے سات دانے تھے جو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو مرحمت فرمائے تھے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا : یہ کیا ہے ؟

حضرت جبرئیل : یہ وہی شجر ہے جس کی آپ کو ممانعت تھی۔

حضرت آدم علیہ السلام : اب میں کیا کروں ؟

حضرت جبرئیل : زمین میں بودو، چنانچہ جبرئیل نے اِن کو زمین میں بودیا۔

---

[۱] ابن جریر، طبری، ابن اسحاق نے اُن کے نام شمار کرائے ہیں [۲] تاریخ ابن کثیر ص ۹۶

[۳] تاریخ ابن کثیر ج ۱ ص ۸۰ بحوالہ مصنف عبدالرزاق

بہر حال درخت جم آیا پھر اُس کو کاٹا پھر صاف کیا پھٹکا پچھوڑا پھر پیسا پھر گوندھا پھر اُس کی روٹی پکائی، الحاصل ایک بڑی محنت کے بعد وہ دانے پیٹ تک پہنچ سکے، قرآنِ پاک میں اِسی محنت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا گیا تھا ﴿ فَلَا یُخْرِجَنَّکُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰی ﴾ [1] ''ایسا نہ ہو کہ شیطان تم کو جنت سے نکال دے پھر تم (جنت کی بے فکری سے) محروم ہو جاؤ۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو غیب سے اَلْمَرُّ (بیلچہ، کدال) اَلْعَلَاةُ یعنی سِندان، اَلْمِطْرَقَةُ یعنی ہتھوڑا، اَلْکَلْبَتَانِ یعنی سنڈاسی بھی دی گئی تھی، جب حضرت آدم علیہ السلام پہاڑ پر تھے جس پر اُن کو اُتارا گیا تھا تو اُنہوں نے ایک لوہے کی سلاخ دیکھی جو زمین سے نکلی ہوئی تھی جیسے کوئی درخت اُگا ہوا ہو، تو اُس کو دیکھتے ہی کہا یہ ''ہتھوڑا'' اِسی کا ہے، پھر سوکھے درخت توڑ توڑ کر سوختہ فراہم کیا اور اُس کو جلا کر لوہے کو پگھلا دیا اور چھری ڈھالی یہ سب سے پہلی چیز تھی جو بنائی گئی پھر آہنی تنور بنایا گیا یہی تنور تھا جو حضرت نوح علیہ السلام کو ترکہ میں ملا تھا اور اِسی میں طوفانِ نوح کے وقت سب سے پہلے عذاب کا چشمہ اُبلا تھا۔

لباس :

تاریخ ابن کثیر میں ہے :

وَکَانَ اَوَّلُ کِسْوَتِهِمَا مِنْ شَعْرِ الضَّأْنِ جَزَّاهُ ثُمَّ غَزَلَاهُ فَنَسَجَ آدَمُ لَهٗ جُبَّةً وَلِحَوَّاءَ دِرْعًا وَخِمَارًا . (تاریخ ابن کثیر ج ۱ ص ۹۲)

''اُن کا سب سے پہلا لباس بھیڑ کے بالوں کا تھا، حضرت آدم اور حوا نے بال کاٹے پھر دونوں نے اُن کو کاتا پھر حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے لیے جبہ اور حضرت حوا کے لیے کرتا اور اوڑھنی بُنی۔''

---

[1] سُورہ طٰہٰ : ۱۱۷

ابن سعد نے اِس کی تفصیل بیان کی ہے :

''جب حضرت حق جل مجدہٗ نے آدم علیہ السلام کی برہنگی پر نظر فرمائی تو حکم فرمایا کہ آٹھ جوڑے جو آسمان سے نازل کیے گئے ہیں اُن میں سے ایک دُنبہ لیں اور اُس کو ذبح کرلیں چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے دُنبہ ذبح کیا اور اُس کے اُون کو حضرت حوا نے کاتا اور پھر حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا نے مل کر بُنا چنانچہ اُس میں سے حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے لیے جبہ اور حضرت حوا کے لیے کرتا اور اوڑھنی بنائی۔'' [۱]

اولادِ آدم علیہ السلام کا نکاح :

سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام کے جوڑواں بچے ہوتے تھے جب اولاد بالغ ہونے لگی تو حکم نازل ہوا کہ بطنِ اوّل کے لڑکے کا بطنِ ثانی کی لڑکی سے اور بطنِ ثانی کے لڑکے کا نکاح بطنِ اوّل کی لڑکی سے کردیں۔ (طبقات ابن سعد ص ۱۴)

اولادِ آدم کا کسب :

بڑے لڑکے نے کھیتی شروع کی، چھوٹا لڑکا بکریاں چراتا تھا۔ (طبقات ابن سعد)

بیت اللہ کی تعمیر :

وحی نازل ہوئی، آدم میرے عرش کے آس پاس میرا حرم ہے تم اس حرم [۲] کے بالمقابل زمین پر میرے لیے بیت بناؤ پھر اُس کے پاس جمع رہو جیسے کہ تم نے فرشتوں کو دیکھا ہے کہ وہ میرے عرش کے اِردگرد جمع رہتے ہیں وہاں تمہاری اور تمہاری اولاد کی دُعا قبول کی جائے گی۔

---

[۱] طبقات ابن سعد و تاریخ ابن کثیر وغیرہ۔ [۲] سوال پیدا ہوتا ہے کہ عرش کا طول وعرض زمین اور ساتوں آسمانوں سے بھی بہت زیادہ ہے جیسا کہ آیات کتاب اللہ کے اِشارات اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے جنتیں آسمانوں کے اُوپر ہیں اور بخاری شریف کی ایک روایت میں (جو شہدا فی سبیل اللہ کے اجر و ثواب اور مجاہدین فی سبیل اللہ کے مدارج کے سلسلہ میں کتاب الجہاد میں وارد ہوئی ہے) بتایا گیا ہے کہ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت آدم علیہ السلام نے التجا کی خداوندا میں کس طرح معلوم کرسکتا ہوں کہ زمین کا کون سا حصہ حریم عرش کے مقابلے میں ہے ؟ خداوند عالم نے کچھ فرشتے بھیج دیے جو حضرت آدم علیہ السلام کو بیت اللہ (کعبہ مکرمہ) کی طرف لے چلے، اِس سفر میں جہاں جہاں کوئی اچھی جگہ نظر آتی تھی حضرت آدم علیہ السلام فرشتوں سے قیام کے لیے فرمائش کرتے، یہ تمام مقامات بڑے بڑے شہر ہوگئے اور جن جن حصوں سے گزر گئے وہ خالی میدان رہے بہرحال حضرت آدم علیہ السلام اُس مقام پر پہنچے جہاں کعبہ کی تعمیر ہونی تھی، حضرت آدم علیہ السلام نے پانچ پہاڑوں کے پتھر سے خانہ کعبہ کی تعمیر کی: طورِ سینا، طورِ زیتون، لبنان، جودی اور اُس کے کھنبے حرا پہاڑ کے پتھر سے بنائے، جب تعمیر بیت اللہ سے فارغ ہوئے تو فرشتے حضرت آدم علیہ السلام کو عرفات لے گئے وہاں اُن تمام مناسک سے مطلع کیا جن کو آج ادا کیا جاتا ہے اِس کے بعد مکہ معظّمہ میں لائے جہاں حضرت آدم علیہ السلام نے سات مرتبہ بیت اللہ کا طواف کیا پھر حضرت آدم علیہ السلام کو دوبارہ ہندوستان واپس لائے جہاں ''نوذ'' مقام پر آپ کی وفات ہوئی۔

(بقیہ حاشیہ ص ٢١) جنت کے سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے اس طرح پچاس ہزار سال کی مسافت صرف جنت کے درجات میں ہے، اب تیز رفتار سواری سے مسافت طے کی جائے تو ظاہر ہے کہ اِس کا اندازہ اعداد و شمار کے آخری درجہ پر پہنچے گا پھر ان تمام مسافتوں کے اُوپر عرشِ رحمٰن ہے تو اُس کا طول وعرض تو لامحالہ گنتی کے دائرہ سے خارج ہوگا تو اتنی طویل بلکہ لامحدود کے مقابلہ پر زمین کیسے آسکتی ہے حالانکہ خانۂ کعبہ کا طول وعرض تقریبًا ١٥×١٥ گز ہے، یہ سوال بظاہر بہت اہم ہے لیکن جب اقلیدس کے نقطۂ نظر سے غور کیا جائے تو جواب بالکل واضح ہے کیونکہ جب آسمانوں اور زمینوں کو گودی (گول) اور طِباق یعنی ایک دوسرے کے اُوپر مانا گیا ہے تو لامحالہ بڑے دائرہ کے مقابلہ پر چھوٹے دائرہ کا حصہ بہت چھوٹا ہوگا کیونکہ کسی مرکز کو جب مثلث کا نقطہ بنا کر خطوط کھینچے جائیں تو مثلث کی دو شاخیں جس قدر بڑھتی رہیں گی اُتنا ہی اِن شاخوں کے درمیان کا فاصلہ بڑھتا رہے گا مثلاً V (محمد میاں)

حج :

حضرت آدم علیہ السلام نے پاپیادہ چالیس حج ادا کیے۔ (طبقات ابن سعد)

دُنیا میں سب پہلی خونریزی : (سب سے پہلا ظالم، سب سے پہلا مظلوم اور سب سے پہلا مبناءِ فساد)

حضرت آدم علیہ السلام کا بڑا لڑکا جس کا نام ''قابیل'' بتایا جاتا ہے کھیتی کرنے لگا تھا، چھوٹا لڑکا جس کا نام ''ہابیل'' بیان کیا گیا ہے بکری چراتا تھا، کھیتی والے کی بہن خوبصورت تھی مگر اُس سے اِس کا نکاح اُس زمانہ کے قانون کے بموجب نہیں ہوسکتا تھا (جیسا کہ اُوپر ذکر کیا گیا) بکریوں والے چھوٹے لڑکے کی بہن بدصورت تھی اُس کا نکاح کھیتی والے سے ہونا چاہیے تھا مگر بڑے لڑکے یعنی کھیتی والے کی نیت میں فساد آ گیا اُس نے چاہا کہ حکمِ شریعت کے برخلاف حقیقی بہن کو حبالہ عقد[۱] میں لے آئے حالانکہ یہ شکل حرام اور ممنوع تھی، اب دونوں بھائیوں میں آپس میں بحث ہوئی حضرت آدم علیہ السلام نے بتایا کہ خداوندا عالم کا حکم یہی ہے تو قابیل نے اِس کو آدم کی من گھڑت بتا کر انکار کر دیا، چھوٹے بھائی یعنی ہابیل نے کہا اچھا اپنی اپنی قربانیاں پیش کریں جس کی قربانی قبول ہوجائے گی وہی اِس لڑکی کا مستحق ہوگا چنانچہ ہابیل جس کے پاس بکریاں تھیں وہ اچھی قسم کا ایک سفید دُنبہ سینگوں والا موٹا تازہ نہایت مسرت کے ساتھ قربانی[۲] کے لیے لایا اور قابیل جو کھیتی کیا کرتا تھا اُس نے تنگدلی اور کوفت کے ساتھ خراب غلہ کا ایک ڈھیر لگا دیا اور دل میں یہی خیال تھا کہ قربانی قبول ہو یا نہ ہو مجھے بہرحال حسینہ سے نکاح کرنا ہے پس دُنبہ قبول کر لیا گیا اور اُس کو خداوند عالم نے محفوظ رکھا چنانچہ روایت ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بجائے جو دُنبہ غیب سے آ کر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ ذبح ہوا تھا وہ یہی دُنبہ تھا اِس دُنبہ کو چالیس سال جنت میں بھی رکھا گیا تھا۔

---

[۱] نکاح کا بندھن [۲] اُس زمانے کا طریقہ یہ تھا کہ قربانی کا سامان میدان میں رکھ دیا جاتا تھا، ایک آگ غیب سے ظاہر ہوتی تھی جس کی قربانی کو وہ آگ جلا دیتی تھی وہ مقبول مانی جاتی تھی اور یہ بھی کہتے ہیں کہ قربانی کی چیز جلائی جاتی تھی جس کی چیز جل جاتی تھی وہ قبول مانی جاتی تھی اور جو مردود ہوتی تھی وہ نہیں جلتی تھی، بہرحال قبولیت کے پہچاننے کا جو طریقہ بھی ہو وہ زیرِ بحث نہیں ہے قرآنِ حکیم نے یہ بتایا ہے کہ ایک کی قربانی قبول ہوئی دوسرے کی قبول نہیں ہوئی۔

اب قابیل بہت جھنجھلایا اُس نے کہا میں تجھے مار ڈالوں گا، ہابیل نے کہا اگر تو مجھے مارنے کو ہاتھ بڑھائے گا تو میں تیرے قتل کے لیے ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا، قربانی پیش کرنا تو شریعت کے مطابق تھا قتل وخون شرعًا حرام ہے میں اِس کا اِرتکاب نہ کروں گا میں تو رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی آئندہ نسل اِسی کافر سے چلی۔ [۱]

شیطانی اور ربانی جذبات کی سب سے پہلی جنگ :

قرآنِ پاک میں اِس واقعہ کو اِس طرح بیان فرمایا گیا ہے :

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ط قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ o لَئِنْ م بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ج اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ o اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ o فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (المائدہ : ۲۷ تا ۳۰)

''اور آپ (اپنی قوم کو) آدم کے دو بیٹوں کے ایک واقعہ کی خبر سنا دیجیے جبکہ دونوں نے ایک نیاز پیش کی وہ ایک سے قبول کی گئی دوسرے کی نیاز قبول نہیں کی گئی اُس نے کہا میں تجھ کو مار ڈالوں گا۔ (جس کی نیاز قبول کی گئی تھی) اُس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ صرف اُن ہی سے قبول کیا کرتا ہے جو اُس سے تقوی کریں اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے میری طرف ہاتھ بڑھائے گا تو میں ایسا نہیں کروں گا [۲] کہ تجھ کو

---

[۱] طبقات ابن سعد ۱/۱۳ [۲] شریعت اسلامیہ محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں اپنی جان کی حفاظت بھی فرض ہے اور یہ قطعاً حرام ہے کہ حملہ آور کے سامنے گردن جھکا دے ''سیر کبیر'' میں اِس کو خودکشی کا درجہ دیا گیا ہے لیکن آیتِ کریمہ نے نہایت لطیف پیرایہ میں ایک اِشارہ فرمایا ہے کہ دفاع کی صورت میں بھی مقصد دفاع ہونا چاہیے قتل کرنا مقصود نہ ہونا چاہیے چنانچہ صحیحین کی حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : اِذَا تَوَاجَهَ الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَكِلَاهُمَا مِنْ اَهْلِ النَّارِ (بخاری شریف: ۷۰۸۳)

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قتل کرنے کے لیے ہاتھ بڑھاؤں میں اللہ رب العزت سے ڈرتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ میرے اور اپنے گناہ کا ذمہ دار تو ہی ہو پھر تو ہی دوزخی ہوگا، ظالموں کی یہی جزا ہے۔ پس اُس کے نفس نے اُس کو اپنے بھائی کے قتل پر راضی کر دیا چنانچہ اُس نے قتل کر دیا لہٰذا زُمرۂ خاسرین میں داخل ہوگیا۔''

اب اُس کے بھائی کی نعش پڑی ہوئی ہے اُخوت کے فطری جذبات جوش مار رہے ہیں اور اُس سے زیادہ حیرانی یہ ہے کہ اِس لاش کو کیا کرے !

﴿ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْاَةَ اَخِيْهِ ﴾ [1]

''پھر خدا نے ایک کوا بھیجا جو زمین کرید رہا تھا تا کہ اُس کو دکھا دے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو کیسے چھپائے۔''

ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ یہ قتل شام کے وقت ہوا تھا وہ صبح کو دیکھنے گیا نیز یہ خیال تھا کہ اِس نعش کا کیا کیا جائے تب وہاں اُس نے کوے کو دیکھا۔

ارشادِ ربانی یہ ہے کہ کوے کے واقعہ سے سبق حاصل کر کے قابیل نے کہا :

﴿قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْاَةَ اَخِيْ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ﴾ (سُورۃ المائدہ : ۳۱)

''ہائے افسوس کہ میں اِس کوے کی برابری سے بھی قاصر رہا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا پھر وہ چھپانے لگا۔''

(بقیہ حاشیہ ص ۲۴) یعنی جب دو مسلمان تلوار لے کر ایک دوسرے کے مقابلہ پر آئیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ قاتل تو بیشک دوزخ کا مستحق ہے مقتول دوزخ میں کیوں جائے گا ؟ فرمایا اس لیے کہ جذبہ اُس کا بھی یہی تھا یہ دوسری بات ہے کہ وہ کامیاب نہیں ہوسکا پس آیتِ کریمہ نے اِشارہ فرمادیا کہ حفاظتِ جان کی صورت میں مقصود حفاظت اور دفاع ہونا چاہیے قتل مقصود نہ ہونا چاہیے پھر اِس کوشش حفاظت میں اگر قتل ہوجائے تو معاف ہے۔ [1] سُورۃ المائدہ : ۳۱

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک سال تک اور ایک روایت یہ ہے کہ سو سال تک اُس لاش کو اُٹھائے اُٹھائے پھرا اِس کے بعد کوے کے واقعہ سے سبق حاصل کیا۔ (تاریخ ابن کثیر ج۱ ص۹۴)

دُنیا میں پہلا دفن :

بہر حال کوے کے اِس عبرت آموز واقعہ کے بعد قابیل بھائی کی لاش کو پہاڑ کے نیچے لایا اور سپردِ خاک کیا۔

سب سے پہلے باپ کی سب سے پہلے بیٹے کو بددُعا :

حضرت آدم علیہ السلام کو اِس واقعہ کی خبر ہوئی، آپ نے قابیل سے فرمایا ''نکل جا تو ہمیشہ مرعوب رہے گا، جو تجھے دیکھے گا تکلیف پہنچائے گا۔'' چنانچہ جب قابیل کی اولاد بڑی ہوگئی تو جب بھی قابیل کے سامنے سے اُن میں سے کوئی گزرتا اِس پر پتھر پھینکتا تھا۔

قتلِ قابیل :

قابیل کا ایک لڑکا اندھا تھا وہ اپنے بیٹے کو ساتھ لیے جا رہا تھا اتفاقاً قابیل سامنے آگیا، اندھے کے بیٹے نے اندھے سے کہا کہ قابیل سامنے ہے، اندھے نے ایک پتھر اُٹھا کر قابیل کے مارا، قابیل کے پتھر ایسا لگا کہ وہ وہیں مر گیا، اندھے کے بیٹے نے جب دیکھا کہ دادا جان مر گئے تو اُس نے دہائی دی، نابینا باپ کو غصہ آگیا اُس نے بیٹے کو طمانچہ مارا یہ عجیب اتفاق تھا کہ وہ بھی طمانچہ کھاتے ہی مر گیا، اب اندھا اپنی بدقسمتی اور اِن ناگہانی حادثوں پر حیران تھا۔

باپ اور بیٹے کا قاتل :

یہ دُنیا میں سب سے پہلا شخص تھا جس نے اپنے باپ کو بھی قتل کیا اور بیٹے کو بھی، ایک کو پتھر سے دوسرے کو طمانچہ سے۔ (طبقات ابن سعد ص۱۴)

عبرت انگیز سزا :

حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا دُنیا میں قتلِ ناحق کا طریقہ سب سے پہلے قابیل نے ایجاد کیا لہٰذا

جو قتل بھی دُنیا میں قیامت تک ہوگا اُس کا گناہ جس طرح قاتل پر ہوگا اُسی طرح قابیل پر بھی ہوگا کیونکہ قاعدہ ہے مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعَلَيْهِ وِزْرُهَا ''جو شخص کوئی برا طریقہ ایجاد کرے تو اُس پر اِس کا بھی بار ہوگا اور پھر جتنے آدمی اُس پر عمل کریں گے اُس کا بھی بار اِس پر رہے گا۔''

ارشادِ نبوی ہے :

لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا اِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْاَوَّلِ كِفْلٌ مِنْ دَمِهَا لِاَنَّهٗ كَانَ اَوَّلَ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ . (مسلم شريف كتاب القسامة و المحاربين رقم الحديث ١٦٧٧)

''جب کوئی انسان ظلماً قتل کیا جاتا ہے تو آدم علیہ السلام کے پہلوٹے بیٹے پر بھی اِس کا بار پڑتا ہے کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کا طریقہ ایجاد کیا۔''

ہابیل کی قبر :

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ دمشق کے شمالی جانب میں ''قاسیون'' پہاڑ کے پاس ایک غار ہے جس کو ''مغارۃ الدم'' کہتے ہیں، اہلِ کتاب کی روایت ہے کہ یہاں قابیل نے ہابیل کو قتل کیا۔

ایک عجیب خواب :

حافظ ابنِ عساکرؒ نے احمد بن کثیر کی سوانح میں بیان کیا کہ

''احمد بن کثیر کو ایک مرتبہ سردارِ دوعالم ﷺ کی زیارت ہوئی حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ، حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت ہابیل حضور ﷺ کے ساتھ تھے، احمد بن کثیر نے ہابیل کو قسم دے کر پوچھا یہ خون آپ کا ہی ہے ؟

حضرت ہابیل نے اِقرار کیا۔''

احمد بن کثیر فرماتے ہیں ہابیل نے خداوندِ عالم سے دُعا کی تھی کہ اِس مقام پر دُعا قبول ہوا کرے، ہابیل کی دُعا قبول ہوئی چنانچہ حضرت محمد مصطفی ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ پنجشنبہ کو اِس مقام پر جاتے ہیں۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں اگر یہ خواب صحیح ہے تو اِس سے شریعت کا کوئی حکم نہیں سمجھا جاسکتا، ہاں کسی خبر کی تائید ہوسکتی ہے۔

طوفانِ نوح کی تمہید :

حضرت آدم علیہ السلام نے وصیت فرمادی تھی کہ شیث کی اولاد اولادِ قابیل کے ساتھ نہ رہے اور نہ آپس میں نکاح بیاہ ہو چنانچہ اولادِ شیث علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو ایک غار میں پہنچا دیا اور نگرانی کرنے لگے کہ اولادِ قابیل میں سے کوئی آکر گزند نہ پہنچادے اور یہی لوگ (اولادِ شیث) حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر دُعا کراتے اور توبہ کیا کرتے تھے۔ ایک عرصہ تک بنوشیث بنو قابیل علیحدہ علیحدہ رہے پھر شیث کی اولاد کو خیال ہوا کہ اپنے چچازاد بھائیوں کو چل کر خود دیکھیں اُن کی کیا حالت ہے چنانچہ سو آدمی روانہ ہوئے، وہاں آوارہ عورتوں نے اِن کو اپنے دام میں پھانس لیا پھر اِسی طرح سو آدمیوں کو خیال پیدا ہوا غرض اِس طرح رفتہ رفتہ حضرت شیث علیہ السلام کی ساری اولاد قابیل کی اولاد میں آملی اور آپس میں خوب ریل میل ہو گیا، شادی بیاہ ہونے لگے اور فسق و فجور عام ہو گیا یہی تھے جو طوفانِ نوح میں غرقاب ہوئے۔

حضرت شیث علیہ السلام کی اولاد میں سے ''انوش'' کو حضرت شیث علیہ السلام کی جانشینی کا شرف ملا، اولادِ انوش میں سے ''قینان'' کو پھر اولادِ قینان میں سے ''مہا لیل'' کو پھر اولادِ مہالیل میں سے ''یزدٗ'' کو یا ''یازد'' کو، اِسی یزد یا یازد کے زمانہ میں بت بنائے گئے اور اسلام کے بجائے کفر و اِرتداد پھیلنے لگا۔ یزد کی اولاد میں سے حضرت نوح علیہ السلام پیدا ہوئے جن کا نام مؤرخین نے ''اِدریس'' بتایا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت آدم علیہ السلام کی عمر شریف :

حضرت آدم علیہ السلام کی عمر شریف نوسو چھتیس (۹۳۶) سال ہوئی۔

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات :

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب آدم علیہ السلام کا آخری وقت تھا تو آپ نے اپنی اولاد سے فرمایا :

''میرا جی جنت کے پھل کو چاہتا ہے کہیں سے تلاش کر کے لاؤ، چنانچہ کچھ لڑکے ڈھونڈنے چلے، چلتے چلتے اُن کو فرشتے ملے، فرشتوں نے دریافت کیا کہاں جارہے ہو ؟ لڑکوں نے ماجرا سنایا، فرشتوں نے کہا واپس جاؤ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا، لڑکے واپس آئے تو حضرت آدم علیہ السلام کی وفات ہو چکی تھی پھر ملائکہ آئے حضرت آدم علیہ السلام کو غسل دیا، حنوط جو ایک خاص خوشبو ہوتی ہے بدن پر لگائی، کفن پہنایا پھر بغلی قبر کھودی پھر ایک فرشتہ آگے بڑھا اُس نے حضرت آدم علیہ السلام کے جنازے کی نماز پڑھائی، باقی فرشتے اور آدم علیہ السلام کے لڑکے اِس کے پیچھے کھڑے ہوئے پھر حضرت آدم علیہ السلام کو دفنا دیا اور کہا کہ اے اولادِ آدم یہ ہے تمہارے مُردوں کے لیے شرعی طریقہ۔''

ایک دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ

''جب فرشتے حضرت آدم علیہ السلام کی روح قبض کرنے لیے آئے اور حضرت حوا نے موت کے آثار دیکھے تو وہ حضرت آدم علیہ السلام کو چمٹنے لگیں حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا اب الگ رہو، تیرے ہی باعث مجھے دُنیا میں آنا پڑا اب تو میرے اور فرشتوں کے درمیان مت پڑ (آڑے نہ آ) اِس کے بعد آدم علیہ السلام کی رُوح قبض ہوگئی۔'' نیز یہ بھی مروی ہے کہ

''جبرئیل علیہ السلام نے حضرت شیث علیہ السلام سے فرمایا کہ تم نمازِ جنازہ پڑھاؤ چنانچہ حضرت شیث علیہ السلام نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور تیس مرتبہ تکبیر کہی، اِس زیادتی سے حضرت آدم علیہ السلام کا اعزا اور اجلال مقصود تھا۔ (طبقات ج ا ص ۱۵)

بہت ممکن ہے پہلے فرشتوں نے تعلیمًا سکھا دیا ہو اُس کے بعد حضرت شیث علیہ السلام سے نماز پڑھوائی گئی ہو جیسا کہ احادیث میں آتا ہے کہ جب شبِ معراج میں نماز فرض ہو چکی تو اگلے روز حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور رسول اللہ ﷺ کو دو روز تک (دس وقت کی) نماز پڑھائی جس

میں نماز کی صورت، ترکیبی اجزاء اور اوقات وغیرہ سب چیزوں کی طرف اشارہ فرما دیا اور عمل کر کے دکھا دیا پھر موقع بہ موقع اِس میں کچھ ترمیمات ہوئیں۔

نبوت آدم علیہ السلام :

حضرت ابوذرؓ : یارسول اللہ ﷺ سب سے پہلے نبی کون ہیں ؟

رسول اللہ ﷺ : حضرت آدم علیہ السلام

حضرت ابوذرؓ : کیا وہ نبی بھی تھے۔

رسول اللہ ﷺ : بیشک ایسے نبی جن کو شرفِ مکالمہ سے نوازا گیا۔

حضرت ابوذرؓ : مرسلین کتنے ہیں ؟

رسول اللہ ﷺ : تین سو پندرہ

واللہ اعلم بالصواب

(طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۰۰)

وفیات

۳۰ ر اکتوبر کو جامعة الحمید لاہور کے بانی و مہتمم حضرت مولانا مفتی حمید اللہ جان صاحبؒ طویل علالت کے بعد لکی مروت میں انتقال فرما گئے۔ اللہ تعالیٰ حضرتؒ کی دینی خدمات کو قبول فرمائے اور آخرت میں بلند درجات عطا فرمائے، آمین۔ اسی روز حضرت مولانا قاری مقبول الرحمٰن صاحبؒ بھی طویل علالت کے بعد لاہور میں انتقال فرما گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

اللہ تعالیٰ جملہ مرحومین کی مغفرت فرما کر آخرت کے بلند درجات عطا فرمائے اور اُن کے پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ جامعہ مدنیہ جدید اور خانقاہِ حامدیہ میں مرحومین کے لیے ایصالِ ثواب اور دُعائے مغفرت کرائی گئی اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، آمین۔